حصہ دوم

سلمانِ عالی شان

ہیرالڈ لیم

مترجم ڈاکٹر محمد طاہر جگڑول

Presented by

۴۔ اشیاء میں جستجو

نظم کا راز

اب سات سال واپس چلیے۔ جون 1534ء ابھی سلیمان اہل یورپ کی جانب سے بددل نہیں ہونے پایا تھا۔ ابھی اس کا مقصد نہیں بدلا تھا۔ ایشیا میں کوئی بات ایسی ہے جو اسے اپنی جانب کھینچ کر بلاتی ہے۔ اور اسے پکا مشرقی بنانے والی ہے۔

یورپ میں چودہ سال جنگ کرنے کے بعد سلیمان عالی شان اپنے باپ یاوز سلطان سلیم کے نقش قدم پر پہلی مرتبہ اپنی آبائی زمین کا عزم کرتا ہے۔ اس نے ابھی ابھی یورپ کی جنگ بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس مقصد کے لیے اسنے ہاپس برگوں سے صلح کر ڈالی ہے۔ اس کے اپنے محل سرا میں سلطانوالدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور گل بہار غریب الوطن ہے۔ روکسے لانا سے اس کا نکاح ہو چکا ہے۔ وہ اپنے دل میں اچھی طرح سمجھ چکا ہے کہ یورپ کی انجمن میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں۔ وہ ایک ترک ہے اور اسے ترک ہی رہنا ہے اکیلا رہنا ہے۔

اب اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ اپنا مقصد بیان کرنے کے لیے خاموشی کا سلسلہ نہیں توڑتا۔ وہ یورپ کا سب سے طاقتور تاجدار ہے۔ لیکن وہ اپنی مجلس وزراء سے روپوش ہو کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اس نے ابراہیم کو عسکر بنا کے اپنے آگے بھیج دیا ہے۔ کہ یہ متمرد یونانی میدان جنگ میں فتح حاصل کرے۔ وہ اپنے پیچھے اپنا بحری بیڑا چھوڑ آیا ہے جس پر خود اس نے کبھی قدم نہیں رکھا۔ اور جس کا بیلر بے ایک یونانی جزیرے کے ایک کسان کا فرزند ہے۔

کیا یہ سلیمان کی کمزوری تھی ممکن ہے کہ یہ بات ہو۔اسی مہینے میں دانیلو وے لدو دی زی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ طبیعتاً وہ خاموش اور مغموم رہتا ہے۔کام کاج سے زیادہ آرام کا جویا ہے۔کہا جاتا ہے کہ جو ایسے جلیل القدر بادشاہ کے لیے ازبس ضروری ہے ؟ کیونکہ اس نے اپنی سلطنت کی حکومت اپنے وزیر اعظم ابراہیم کے سپرد کر رکھی ہے۔جس کے بغیر نہ تو وہ خود کوئی فیصلہ کر سکتا ہے وار نہ اس کے امرائے دربار اور ابراہیم جو چاہے سلطان عالی شان سے پوچھے بغیر کر گزرتا ہے"

یہ رائے نئی نہیں۔واقعہ تو یہ ہے کہ خود ابراہی نے اسی قسم کے الفاظ کہے تھے۔ لدو دی زی کا بیان صرف ایک حد تک صحیح ہے۔اور یہ بیانات افواہوں پر مشتمل ہے جو سفیروں کے حلقے میں مشہور تھیں۔سمندر پار بربروسا بالکل خودمختار دکھائی دیتا ہے لیکن دراصل ایک ریشم کا دھاگہ جس کا ایک سرا سلیمان کے ہاتھ میں ہے اسے جس طرح چاہتا ہے نچاتا ہے دراصل اب تک ابراہیم نے جو کچھ کیا سلیمان ہی کی مرضی سے کیا۔سلیمان کی طاقت فولادی تلوار کی سی ہے یہ تلوار لاکھ نیام میں ہی شاید سب سے زیادہ سلیمان اپنی طبیعت کے وحشی پن سے خائف ہے اور اسے دبائے رکھنا چاہتا ہے۔

پھر وہ ایشیا کیوں جا رہا ہے؟ اس نے روکسے لانا کو بہت سے راز بتا دیے ہیں۔ لیکن روکسے لانا گپ شپ کرنے والی نہیں۔اس طویل سفر پر اس نے اسے اپنے ساتھ بھی نہیں لیا ہے۔اسی کے بعض لفظوں سے اس حقیقت کی تہ تک پہنچنے میں کوئی نہ کوئی مدد تو ملے۔اس کے مختصر روزنامچے سے نہیں بلکہ اس کی ایک بھونڈی سی نظم سے

جس میں اس نے اپنا تخلص طالب باندھا ہے۔

ایک غزل میں اس آرزو کا اظہار کیا ہے۔

''جس نے قلندری پسند کی اسے محلسرا کی حاجت نہیں''

''اسے فقر و غنا کی حاجت نہیں وہ صرف دردِ دل کا طالب ہے''۔

ان دو بیتوں میں ایک طرح کا احساس عقوبت ہے۔ مزید دو بیتوں میں یہی رنگ اور گہرا ہے ''جس کا دل داغ داغ ہے اسے سیر باغ سے حظ حاصل نہیں ہو سکتا''

ایک جگہ تو سلیمان صاف لکھ جاتا ہے:

''وہ چیز جو سلطنت کہلاتی ہے عالم گیر جنگ اور مسلسل جدال کے سوا کچھ نہیں''

سارے عالم میں اگر کہیں راحت ہے تو صرف فقیر کے تکیے میں۔

یہ ایک خواہش و آرزو تھی جس کو سلیمان نے ذرا بھونڈے پن سے ادا کیا ہے۔ دراصل وہ ایسی سلطنت کا خواہاں نہیں تھا جس کی بنیاد جنگ و جدال کی قوت محض پر ہو۔ لیکن دردِ دل کی بنیاد ایک عالم گیر اخوت پر ہے اور وہ خود صاحبدلوں کے حلقوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ طلب بیکار ہے۔ کیونکہ جس قناعت و فقر کا اس نے ذکر کیا ہے جو حوادث و افکار سے پاک تھی وہ اس کے لیے ایک ناممکن الحصول شے تھی۔

اپنی ساری قوت استقلال کے ساتھ اس نے نصب العینی طرز حکومت کی تلاش ایشیا میں شروع کی۔ یورپ میں تو وہ ناکام ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اوگیر بوزبک نے کیا دیکھا

ترکی دربار میں حکومت آسٹریا کا آخری سفیر ایک مہربان طبیعت کا امیر تھا جو بلجیم کا رہنے والا تھا اور چونکہ وہ ایک طرح کی نظر بندی کے عالم میں رہتا تھا۔ اسے اس آزمائش امتحان کے سخت ترین دور میں سلیمان کی طبیعت کا مطالعہ کرنے کا بڑا نادر موقع حاصل تھا۔ اوگیر گیزلین دے بوزبک فلسفی بھی تھا اور اسے علم حیاتیات کا بھی چسکا تھا۔ سلطان کے ساتھ ایشیا کے سفر کے دوران میں اس نے بہت سے عجیب عجیب جانور اکٹھے کر لیے تھے جن میں ایک سیاہ خرگوش بھی شامل تھا۔ اور ایک مادہ کلنگ تھی جو سپاہیوں سے بہت مانوس ہوگئی تھی۔ اور انہیں کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ اور ایک آدھ مرتبہ اس نے انڈے بھی دیے تھے۔ ایک سدھایا ہوا سور بھی تھا۔ جس سے ایک خاص کام لیا جاتا تھا۔ بلجیم کا رہنے والا یہ قاصد اس کے گلے میں ایک تھیلی باندھ دیتا جس میں اس کے خفیہ پیغامات ہوتے۔ مذہب کے پابند ترک سور کو ناپاک سمجھ کر اسے ہاتھ نہ لگاتا اور اس سے معترض نہ ہوتے تھے۔

بوزبک کی طبیعت میں غائت درجہ کا تجسس تھا۔ شاید ہی کسی اور اجنبی نے سلطان اور اس کی رعایا کا ایسا غائر مطالعہ کیا ہو۔ اس نے کسی نہ کسی طرح اسکا بھی بندوبست کرلیا کہ عید بیرام کی ضیافت کو دیکھنے کا اسے موقع مل جائے۔

''میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایک سپاہی کو انعام دینے کا وعدہ کریں اور وہ مجھے اپنے خیمے سے جو ایک پہاڑی کی بلندی پر واقع تھا۔ سلطان کے

شامیانے کا منظر دیکھنے کا موقع دے۔ میں صبح تڑکے اس کے خیمے میں پہنچا۔ میں نے وہاں بہت بڑا مجمع دیکھا۔ سارے لوگ عمامے باندھے تھے وہ ایک امام کی قیادت میں نماز ادا کر رہے تھے۔ جماعت میں صفوں میں بڑا نظم وضبط تھا اور وہ مقام جہاں سلطان کھڑا تھا اسے نزدیک اور دور صفیں صاف صاف نظر آتی تھیں۔

''یہ بڑا دلکش منظر تھا برف کی طرح سفید عمامے اور فوجیوں کی زرق برق وردیاں، کہیں کھانسی تک کی آواز نہ سنائی دیتی کسی کی گردن تک اور سمت جنبش نہ کرتی۔ ترکوں کا قول ہے کہ جب پاشاؤں سے بات چیت کرنے میں ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے تو خدا کی عبادت میں جس قدر ادب وتعظیم ہو کم ہے۔

''نماز کے بعد صفیں منتشر ہو گئیں اور پورا میدان رواں دواں مجمع سے بھر گیا۔ سلطان کے ملازمین ناشتہ کا خوان لے کر حاضر ہوئے۔ اور دیکھیے ادھر ینی چیری زندہ دلی سے کھانے کے طبقوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ پرانی رسم ہے۔ عید کے دن ہر ایک کو بڑی آزادی حاصل ہوتی ہے''

بوزبک بڑا محتاط آدمی تھا لیکن چونکہ اس کا خیمہ خاصہ کے ینی چیریوں کے خیمہ گاہ کے قریب تھا۔ اس لیے اس نے ہمت کر کے بھیس بدلا تا کہ اچھی طرح گھوم پھر کے وہ اس خیمہ گاہ کو دیکھ سکے۔ اریورپ کے عسکر سے ان کا مقابلہ ان الفاظ سے کرتا ہے:

''میں نے دیسی عیسائیوں کا لباس پہنا اور ایک دو ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل کھڑا ہوا۔ پہلی چیز جسے میں نے خاص طور پر محسوس کیا یہ تھی کہ ہر رسالہ اپنے خاص حصے میں رہتا ہے۔ اور سپاہیوں کو اس حصے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ ہر جگہ

انتہائی نظم وضبط تھا خاموشی چھائی رہتی تھی۔ کہیں لڑائی جھگڑے یا زبردستی چھین جھپٹ نہ تھی۔ ہر جگہ صفائی تھی کہیں بول و براز کی گندگی نہ تھی۔ بول و براز کیلیے گڑھے کھودے جاتے تھے۔ اور پھر انہیں تازہ مٹی سے بھر دیا جاتا تھا۔

''پھر یہ کہ میں نے کہیں شراب نوشی اور قمار بازی نہیں دیکھیل۔ یہ دونوں ہمارے یورپ کے سپاہیوں کی لعنتیں ہیں۔ ترکوں کو تاش کھیلنے میں پیسے کھونے کا ہنر نہیں آتا۔

''میرے من میں بھی یہ سمایا کہ میں ان جھاڑیوں کی بھی سیر کر آؤں جہاں قصائی بھیڑیں ذبح کرتے ہیں۔ چار یا پانچ ہزار نئی چیریوں کے لیے کل چار یا پانچ بھیڑیں ذبح کی گئیں تھیں میں نے ایک نئی چیری کو دیکھا جو ایک چوبی مشقاب میں کھانا کھا رہا تھا۔ جس میں شلجم پیاز لہسن اور ککڑی کا ایک مرکب سالن تھا جس میں ذائقے کیلیے نمک اور سرکہ ڈالا گیا تھا۔ یہ سپاہی ترکاریاں اتنے مزے لے لے کر کھا رہا تھا کہ گویا وہ تیتر کھا رہا ہے۔ یہ لوگ پانی کے سوا اور کچھ نہیں پیتے تھے۔

''میں نے روزے کا افطار سے ذرا قبل ان سپاہیوں کے خیمے اور ان کا طرز عمل دیکھا تو اور بھی متحیر ہوا۔ عیسائی سرزمینوں میں روزوں کے زمانے میں باقاعدہ شہروں میں بڑا ہنگامہ' لہو ولعب شراب نوشی اور بے اعتدالی ہوتی ہے۔ لیکن ترک رمضان کے مہینے میں پہلے کھانے پینے کی کوئی خاص افراط نہیں برتتے۔ بلکہ رمضان سے پہلے ہی وہ اپنی غذا ذرا کم کر دیتے ہیں تا کہ آسانی سے روزہ رکھنے کی عادت پڑ جائے۔

''یہ سب فوجی نظم وضبط کا اور اس سخت قانون کا کرشمہ ہے جو انہیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ ترک کوئی جرم معاف نہیں کرتے۔ جو سزائیں ان کے ہاں ہیں یہ ہیں۔ تنزل، برطرفی، ضبطی جائیداد، تازیانہ اور سزائے موت۔ ینی چیریوں پر بھی سزائے تازیانہ عام لوگوں کی طرح عائد ہوتی ہے۔ اگر جرم سنگین ہوتا ہے تو تازیانے کی حد عائد کی جاتی ہے۔ اگر جرم سنگین ہو تو انہیں خدمت سے موقوف کر دیا جاتا ہے۔ یا ان کا تبادلہ کسی اور رسالے میں کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ان سزاؤں کو موت سے بدتر سمجھتے ہیں''۔

اورگیر بوزبک کو حیرت ہوتی تھی کہ کس تحمل سے یہ لوگ سزا یا تکلیف پا کر برداشت کرتے تھے۔ اسے یہ معلوم ہوگیا کہ ینی چیری اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ تازیانہ کی مار سے بے ہوش ہو جائیں تا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے ہٹا کے اور کہیں تبادلہ کر کے نہ بھیج دیے جائیں۔ اتفاق سے ترکوں کی ایک بڑی بنیادی کمزوری کا بھی وہ ذکر کر گیا ہے۔ جب وہ تجربہ کار ینی چیریوں کا ذکر کرتے کرتے لکھتا ہے کہ وہ اپنی کلغیوں پر بڑا فخر کرتے ہیں تو وہ ترکوں کی عام کمزوری بیان کرتا ہے۔ اپنے ملبوسس کو زرق بنانے اور سج دھج کا ترکوں کو بڑا شوق تھا۔

ینی چیریوں کے آغا اپنی سال بھر کی تنخواہ چاندی کے کام کی زین خریدنے میں صرف کر دیتے تھے۔ سنجق بے زرتار خریدنے میں مصروف ہو جاتے تھے رکن الدولہ ابراہیم اور خود سلطان نے اس ذاتی کروفر اور نمود کی نظیر قائم کی تھی۔

☆☆☆

ایشیائی غنیم

سلیمان دریائے نیل کے کنارے کے متمول شہروں کی سیر کو نہیں نکلا تھا۔ نہ اس کا ارادہ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کی زیارت کا تھا۔ ان مقامات مقدسہ کی زیارت وہ کبھی نہ کر سکا۔ وہ شمال مشرق کے سنگلاخ علاقے کی سمت جا رہا تھا۔ جہاں سے اس کی سلطنت کے لیے خطرہ پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اسی راستے سے جا رہا تھا جس راستے سے عثمانی قبائل کے قافلے مغرب کی سمت میں آتے تھے۔ اور جو مسئلہ اسے درپیش تھا اس کا حل تقریباً ناممکن تھا۔

سرزمین فارس کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس کا دباؤ اس کی مشرقی سرحدوں پر پڑ رہا تھا۔ لیکن وہ فارس کے صفوی بادشاہوں سے کوئی کنگ عظیم کرنے کا خواہاں نہیں تھا۔ اور نہ ہی بڑی جنگ اس کے لیے اس وقت ممکن تھی۔ یہاں مشرق میں سلطان سلیم یاؤز اور اسی کے جیسے تشدد پسند شاہ اسماعیل میں بڑی خونریز لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ جس سے ترکوں اور ایرانیوں دونوں قوموں کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ اس تصادم کی تلخی دونوں نے محسوس کی تھی اور کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے بعد شاہ اسماعیل کے ہونٹوں پر کبھی ہنسی نہ آئی۔

اس چودہ سال کے عرصے میں جب سلیمان یورپ کے معاملات میں مصروف تھا اس نے مشرق قریب میں اس اصول پر عمل کیا کہ خود بھی آرام کرے اور دوسروں کو بھی آرام سے بسر کرنے دے۔ دریائے ڈان میں اس کے جہاز ماسکو کے عظیم

شہزادوں کی سرحدی چوکیوں سے تجارت کرتے تھے۔ اسنے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں اور سمرقند کے ازبک ترکوں کو تحفتاً نئی چیری سپاہی اور توپ خانے بھیجے تھے تاکہ وہ اپنی طاقت کو استعمال کیے بغیر اپنی طاقت کی نمائش کر سکے۔

تبریز میں جو ایران کا پائیہ تخت تھا۔ شاہ اسماعیل صفعی جو اثنا عشری مذہب کا پیروکار اور صوفی منش بادشاہ جب تک زندہ رہا پہلی خونریز جنگ کے بعد ترکوں سے امن قائم رکھے رہا۔ حالانکہ اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا طماسب جب تخت نشین ہوا تو اس نے زیادہ حقیقت پسندی دکھائی۔ جس زمانے میں سلطان سلیمان مشرق سے دور تھا اس نے ترک علاقے میں بطلیس پر قبضہ کر لیا جو جھیل وان کے علاقے میں ایک بڑا مستحکم قلعہ تھا۔ ایرانی شہسوار دریائے دجلہ پر بغداد کے قریب نمودار ہو چکے تھے۔ اس کے دربار میں اہل وینس کے جو سفیر تھے وہ اسے اسی طرح کے حملوں پر اکسا رہے تھے۔ اور بڑی ہوشیاری سے اس کی کوشش کر رہے تھے کہ ترکوں کے عقبی محاذ پر شاہ ایران پوری قوت سے یورش کرے انہیں توقع تھی کہ اس جنگ کی وجہ سے وی آنا اور بحیرہ روم پر ترکوں کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ کاش یہ ہو سکے (کچھ عرصہ بعد بوزبک یہی لکھنے والا تھا "ہمارے اور بربادی کے درمیان صرف ایرانی حائل ہیں)۔

اس محاذ پر سلیمان کی کمزوری یہ تھی کہ اس کی سرحد بہت دور تک پھیلی ہوئی تھی اگر آسٹریا کی سرحد شمال مغرب میں قسطنطنیہ سے ہزار میل دور تھی تو مشرق میں ایران کی سرحد بھی ہزار میل دور تھی چونکہ ترک فوج نقل و حرکت کا دارومدار گھوڑوں کے لیے گھا

س چارے کی فراہمی پر تھا اس لیے یہ ناممکن تھا کہ ایک ہی سال میں ترک فوج دونوں محاذوں پر پیش قدمی کر سکے۔فوج کا تقاضا یہ تھا کہ ہر محاذ پر سلطان ہی اس کی قیادت کرے اور سلطان کے ساتھ ساتھ حکومت کا سارا نظم ونسق سفر کرتا تھا۔ابراہیم نے اسے بڑی ترغیب دلائی کہ وہ ایران کو کچل ڈالے اور اس مہم کو اتمام کو پہنچائے۔ ج کا آغاز سلطان سلیم نے کیا تھا۔

سلطان جو حرمین اور شریفین اور تمام مقامات مقدمہ میں امین سمجھا جاتا تھا یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ بغداد شریف اس کے قبضے سے نکل جائے۔شاعروں نیاس کی مدح میں قصیدے لکھے اسے شہر یار دشمن کش کے لقب سے یاد کیا۔وہ سلطنت عثمانیہ کا سرتاج تھا جس کی پیدائش ہی جنگ کے میدانوں میں ہوئی تھی۔اور وہ یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ پرانے ترک قلعوں پر غیروں کا قبضہ ہو جائے۔اور وہ چپ رہے اس کے آغازوں نے اسے یاد دلایا کہ اگر یاوز سلیم زندہ ہوتا تو وہ سارے فارس کو تہ تیغ اور نذر آتش کر ڈالتا۔

اس مسئلے کو بھی سلطان سلیمان نے اپنے ہی خاص انداز میں حل کر لیا۔وہ خود قسطنطنیہ میں ٹھہرا رہا اور حالات کا مشاہدہ کرتا رہا یورپ والوں کا دل بہلانے کے لیے باربروسا کو استعمال کرتا رہا۔اور اس نے اپنی بیشتر فوج کو ابراہیم کی سرکردگی میں بغداد کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔

لیکن ابراہیم نے اس کے احکا کی خلاف ورزی کی۔بجائے بغداد کو دوبارہ تسخیر کرنے کے وہ جھیل وان کے اطراف کے پہاڑوں میں گھس گیا۔بڑی سیاسی سے

اس کے سرحد کی چوکیوں پر قبضہ کیا۔ پھر بلندی سے میدانوں میں اتر کو وہ شاہ طماسب کے پایہ تخت تبریز میں گھس گیا جہاں کے گنبد نیلمیں مینا کاری کام کی وجہ سے مشہور تھے۔ کوئی معرکے کی لڑائی نہ ہونے پائی کیونکہ ایرانی اپنی اصلی ایرانی فوج کو ینی چیریوں اور ترک توپ خانے کے مقابل نہ لانا چاہتے تھے۔ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے ترک عسکر پر ادھر ادھر سے چھاپے مارتے رہے۔ ان ایرانی سواروں کے تعاقب میں جو دستے بھیجے جاتے انہیں گھیر کر تہ تیغ کر ڈالا جاتا۔ ترکوں کی اصلی فوج کو تبریز میں سرما گزارنے پر مجبور ہو جانا پڑا کیونکہ پہاڑوں پر برفباری ہو رہی تھی۔ مزید برآں ترک فوج کو سلطان کے موجود نہ ہونے کی بڑی سخت شکایت تھی۔

قاصدوں نے سلطان کو یہ پیغام پہنچایا ''تبریز میں وزیر اعظم کا یہ حال ہے کہ وہ فتح کے نشے میں چور ہے۔ وہ قسمیں کھاتا ہے کہ فتح و ظفر اس کا نصیب ہے۔ اور ایسی فتوحات حاصل کرنا سلطان المشرقین والمغربین کے بس کی بات نہیں''۔

اور پھر ایک قاصد نے سلیمان کو فوج کے نام جاری کیا ہوا ایک فرمان دکھلایا جس میں ابراہم نے اپنا لقب سر عسکر سلطان تحریر کیا تھا۔

دریک اقلیم دو سلطان نہ گنجند ابراہیم کے دستخط اور یہ تحریر دیکھتے ہے سلطان نے فوج کی قیادت خود سنبھالنے کے لیے مشرق کا رخ کیا۔

☆☆☆

ماضی کی سیاحت

اس سفر میں اس کا راستہ انوکھا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ اہل ایشیا کے سے ان کے گھروں میں ملتا جا رہا تھا۔ وہ ایک ایسی طاقت کے مقابلے کے لیے بڑھ رہا تھا جسے توپ خانے یا نئی چیریوں کے ذریعے نہ روکا جا سکتا تھا۔

ایران کے نئے شاہان صفی خرقہ پوش صوفی تھے۔ اور وہ طرح طرح کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کا اپنا اثناعشری مشرب سارے ایران کا مذہب بن چکا تھا۔ وہ سلطنت عثمانیہ کے زاہدوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور یہ زاہد انہیں بدعتی کہتے تھے۔ اہل ایران کی نظر میں شاہ اسماعیل کو ولی اللہ کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ وہ اس کے معجزوں کے قائل تھے یہ تحریک اناطولیہ میں پھیلنے لگی تھی اور بیک تاشی درویش اس سے متاثر ہو چلے تھے۔ اس علاقے میں سفر کرنے میں سلطان سلیمان ایک نئی مذہبی تحریک کے مقابل رواں ہو رہا تھا جس کا زور و شور طوفان کا سا تھا۔

اپنے علاقے میں اس مذہبی بے چینی سے دوچار ہونے کا اس نے یہ طریقہ سوچا کہ ایک حاجی کا بھیس بدل کے اور محض چند ساتھیوں کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے۔ جنوب کے علاقے میں وہ کچھ عرصہ کے لیے قونیہ میں ٹھہرا جو سلجوقی سلاطین کا پائی تخت تھا۔ یہاں اس نے فخر اولیاء و شعراء مولانا جلال الدین رومیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی ل اس روضہ اقدس کے مینار آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ یہاں مولوی حلقے کے درویشوں کو اس کی آمد سے بڑی مسرت ہوئی اور وہ جوق در جوق اس کے

گرد جمع ہو گئے۔ وہ عود و سرود کے ساتھ عالم حال میں اس کے سامنے رقص و وجد کرتے تھے۔ اور جب عالم بسط سے حالت کشف میں واپس آتے تو سلطان کو روحانی بشارت دیتے کہ اسے فتح و ظفر نصیب ہوگی۔

مشرق میں وہ جتنا آگے بڑھتا گیا قسطنطنیہ سے زنجیر کی کڑیاں ڈھیلی ہوتی گئیں اب اسکے اطراف میں جو انسان تھے وہ تعلیم اور خود دونوں سے بے بہرہ تھے۔

تنگ کلاہیں پہنے ہوئے درویش بیک تاشی عصا بند قلندر اس سے ملنے سراؤں میں جمع ہوتے یا اسکے خیمے پر پہرہ دیتے۔ دبلے پتلے سانولے سانولے لوگ صدا لگاتے سلطان سلیمان قانونی' سلطان سلیمان فاتح وہ خوش طبعی سے کہتے ''خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ سلامت ہیں آپ اب محض ایک نام نہیں ہیں۔ ہم اپنی آنکھوں سے آپ کو زندہ سلامت دیکھ رہے ہیں۔ آپ خود تو مزعفر کھا رہے ہیں آپ ہم فقیروں کا یا عطا کریں گے۔

کسان جو ٹانگیں پھیلا پھیلا کر چلنے کو آتے تھے اس کے آگے پھلوں کی ٹوکریاں پیش کرتے اور لڑکے چلا چلا کر کہتے ''چپلی بزاونوت ما'' (آقا ہمیں بھول نہ جانا)۔

سلطان سلیمان سرخ مٹی کے میدانوں سیہوتا ہوا پہاڑوں کی سنگلاخ بلندیوں تک پہنچا۔ بیک تاشی بابا اس کے سپاہیوں کے ساتھ دوڑتے جاتے اور رات کو الاؤ کے گرد چھوٹے چھوٹے معجزے دکھاتے جاتے۔ اس کی طرف دیکھ کر وہ اس سے پوچھتا سلطان خاں اس دور دراز شہر میں آپ کیا کرتے ہیں؟''

''میں پانی لانے کے لیے نہریں کھدواتا ہوں''

''وہی پانی پاک ہے جو خدا کی بنائی ہوئی ندیوں اور چشموں سے بہتا ہے۔ ایسی فصیلوں کے بنانے کا کیا فائدہ جو مسمار ہو کے ایک دن ویران کھنڈر بن جائیں گی؟''

سلطان بازنطینی محلوں کے کھنڈروں کا تصور کرنے لگا۔ رومیوں کے بنائے ہوئے ستون اب سیاہ پڑ گئے تھے اس نے پوچھا ''اور کیا؟''

سلطان المشرقین والمغربین کے ساتھ جو لاؤ لشکر ہے اور مال و دولت کے خزانے ہیں۔ آپ یہ خزانے ساتھ کیوں لائے ہیں۔ فرنگی کافر دولت کو خورد و نوش کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مگر آپ کو کھانے پینے کی جس چیز کی ضرورت ہو آپ کے فرمائش کرنے کی دیر ہے ہم اسے خود بخود حاضر کر دیں گے۔ آپ فوج کو ساتھ لائے ہیں لیکن شاہ ایران نے ہمیں صرف غزلیں لکھ لکھ کر بھیجیں جن میں بغاوت کی ترغیب دلائی۔ نہیں ہم نے بغاوت نہیں کی۔ لیکن اس کی غزلیں بڑی پیاری ہیں وہ لکھتا ہے کہ ابر و باراں کے ساتھ آیا اور آفتاب عالم تاب کے ساتھ چمکا اور بہت جلد میں روم کا شہریار بن جاؤں گا''۔

ایرانی ترک علاقے کو روم کہا کرتے تھے۔ جہاں اسی سرزمین کو رومۃ الکبریٰ سمجھتے تھے۔ یہاں آبادی کا بڑا حصہ ایسا تھا کہ جس کے دماغ کھیتوں اور جنگلوں کی طرح اب بھی ویسے ہی تھے جیسے ہزارہا سال پہلے۔ سلیمان صندل کے دھوئیں اور بادیہ کی خشک خوشبو سے بہت متاثر ہے۔

''یہ اشعار شراب ارغوانی کی طرح ہیں اس کے دل میں بھی آرزو تھی کہ اس کا اپنا

کلام بھی اسی طرح درد واثر میں ڈوبا ہوا ہو۔ یا بیک تاشی باباؤں کی طرح وہ بھی اپنے ترنم سے سامعین کو محو کر سکے"۔

"شراب ارغوانی نہیں شراب طہور"۔

سلیمان نے منبع کے قریب دریائے فرات کو پار کیا۔ وہ پرانے پتھریلے مکانوں والے دیہاتوں سے ہوتا ہوا گزرا جہاں پرانی وضع کے مطابق عورتیں نقاب نہیں پہنتی تھیں۔ گندم کے کھیتوں سے محبت کرتی تھیں۔ یہاں بھی لوگ دوزانوں ہو کے ا سے دانش و برہان سیکھنا چاہتے اور زندگی کے رموز سربستہ کے متعلق اس سے دریافت کرتے "یہ زمانہ برا ہے کیا خدا نے بدی کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ بنی نوع انسان گمراہ ہو جائے"۔

تعز من تشاء وتذل من تشاء

"یہ کیونکر خدا کی ہدایت کی کیا پہچان ہے۔ سلطان المشرقین والمغربین یہ فرمائیے کہ کس برہان کے مطابق آپ نے مشرق کی جانب عنان پھیری ہے؟"

"کون سی برہان؟" یہی نا کہ گستاخ ابراہیم کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

اوپر پہاڑیوں میں آرمینیوں کے کلیساؤں کے گنبدوں میں گھنٹے بج رہے ہیں۔ سیاہ جنگل کے اس پار پہاڑوں کی سفید پوش چوٹیاں اس کے راستے کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ کئی دن تک وہ ایک چوٹی کو دیکھتا رہا جو دور نگہبانی کر رہی تھی جو دھوپ سے چمکنے لگتی اور جب دن ڈوبتا اور رات کے پہلے تارے نکلتے تو وہ ایک نئے روپ میں نظر آتی جب وہ اخلت پہنچا تو گھوڑے سے اتر کے اپنے خانوادے کے بانی دس

پشت پہلے کے سلطان عثمان کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور یہاں اس نے سوال کرنے والوں کو جواب دیا ''اس برہان کے مطابق میں نے اپنی عنان مشرق کی طرف پھیری ہے''۔

اس کے اطراف چٹانوں کی بلندیوں پر وحشی کرد قبیلوں کے الاؤ سے آگ کے نوکدار شعلے نکلتے نظر آتے تھے۔ کرد سردار بڑا زرق برق لباس پہنے پہاڑوں سے اتر اتر کر سلطان کے دیدار کو حاضر ہوتے ابھی تک انہوں نے محض اس کا نام ہی سنا تھا۔

سلطان انہیں مرحبا کہتا اور دل میں سوچتا ابراہیم آسانی سے اپنے عہدے کا ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوگا۔ اور نہ میں سبکدوش ہو سکتا ہوں۔ اس کے ذہین میں لمحہ بھر کے لیے یہ خیال بھی آیا کہ کیوں نہ کمر سے تلوار کھول دوں اور اپنے دربار اور سلطنت کے افکار کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کے بیک تاشی درویشوں کے تکیے کا سہارا راستہ لوں اور وہاں باقی عمر اللہ کی یاد اور مراقبے میں گزار دوں۔ لیکن اس کا دادا بایزید اسی ارادے سے قسطنطنیہ سے نکلا تھا۔ اور راستے میں مارا گیا تھا.....

اوائل خزاں میں وہ ترک عسکر تک پہنچ گیا تھا جو تبریز کے پہاڑوں میں اس کا منتظر تھا۔ اس نے فوج کی کمان ابراہیم کے بجائے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ بہت سے افسروں نے اس کی رکاب پکڑنے کی عرض کی کہ عسکری سرما کی شدت سے فاقہ کر رہے ہیں۔ لیکن اس نے ان کی بات نہیں سنی۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ جوں ہی فوجیوں نے سلطان سلیمان کا پرچم دیکھا جس پر سات سفید گھوڑوں کی دمیں آویزاں تھیں ان کی ہمت پھر عود کر آئی تھی۔ وہ کیچڑ اور

برف سے گزرتا ہوا انہیں دجلہ وفرات کے صحرا میں نکال لایا۔ راستے میں قافلے سے باربرداری کے گھوڑے مر گئے اور بھاری توپ خانے کو پیچھے کیچڑ میں دفن کرنا پڑا۔ جہاں چھاپہ مار اس کا سراغ نہ لگا سکیں۔

صحرا میں پہنچ کر ترک فوج سرما کی شدت اور ایرانی چھاپہ ماروں کے حملے سے محفوظ ہوگئی۔ سلیمان نے دجلہ کے کنارے کنارے بغداد کا رخ کیا۔ اور اس شہر کو فتح کرنے کے لیے یہیں موسم سرما گزارنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ خلفائے عباسیہ کے اس پرانے دارالسلطنت میں پہنچا تو اس نے سختی سے فوجوں کو منع کردیا کہ قطعاً لوٹ مار نہ ہونے پائے۔ اور یہاں کے باشندوں کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ لیکن یہ شہر اب محض اپنی گزشتہ عظمت اور ہارون الرشید کی یاد کا ایک ڈھانچہ ہو کر رہ گیا تھا۔

بغداد پہنچ کر فوج کی ہمت کئی گنا بڑھ گئی سلطان ہی کے طفیل میں فوج بغداد خداداد تک پہنچ پائی تھی۔ یہاں سلطان نے درحقیقت خلفائے عباسیہ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ اب قبائے خلافت سچ مچ اس کی قامت پر راست آئی۔

درگاہ حضرت غوث الاعظم کے ایک مجاور نے سلطان سلیمان کے متعلق یہ تقریر کی: ”کہ مجھے سلطان میں ایک ایسی صفت نظر آئی ہے جو اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملی ہے۔ یہ صفت علم اور حلم کی آمیزش ہے۔ میری نظروں نے آج یہ منظر دیکھا ہے کہ ید بیضا نے تلوار کھینچی ہے میں بوستان معرفت میں خلیفہ دوراں کو دیکھ رہا ہوں“۔

☆☆☆

اسکندر چلپی کا مقدمہ

ان سردیوں میں سلطان کو ابراہیم کے مقدمے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جس کی حیثیت اس کے ہمزاد کی سی تھی۔ یہ بات ٹلنے والی نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھا جس پر اسکندر چلپی کے جانے پہچانے خط میں چند الفاظ درج تھے یہ الفاظ ایسے تھے کہ سلطان کو بنفس نفیس مجبوراً ابراہیم کے مقدمے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ کیونکہ ابراہیم اپنی حقیقت بھول گیا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اپنی مدت کے لمحے میں قسم کھا کے اقرار کرتا ہوں کہ اسکندر چلپی دفتر دار اس جرم کا گناہ گار ہوں کہ میں نے فوجوں کے سامان کی رسد کی رقم سے کچھ غبن کیا ہے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مجھ غدار نے ایرانیوں کے ساتھ مل کر اپنے آقا سلطان کو شکست دینے کی سازش تیار کی تھی۔ میں یہ بھی قسم کھاتا ہوں کہ وزیر اعظم ابراہیم اس جرم و غداری میں میرا شریک تھا۔ مزید برآں اسنے کچھ قاتلوں کو رقم بھی دی تھی کہ وہ سلطان کو قتل کر ڈالیں"۔

سلطان جانتا تھا کہ یہ سب کذب و افترا ہے لیکن بہت سے لوگوں کو اس کا علم تھا کہ اسکندر چلپی کی یہ تحریر سلطان تک پہنچ گئی ہے' اور مرنے سے پہلے جھوٹی قسمیں نہیں کھایا کرتا۔

سلیمان نے بڑی احتیاط سے وزیر خزانہ کے مقدمے پر غور کیا۔ اسکندر چلپی ترک تھا' پرانی روایات کا پابند تھا اور ذہین طبع ابراہیم سے اس کی رقابت سالہا سال

سے چلی آتی تھی ۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر خدم و حشم اور شان و شوکت دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ۔ بدقسمتی سے سلطان نے سکندر چلپی کو ابراہیم کا نائٹ بنا کر اس مہم پر روانہ کیا تھا۔

اس کے بعد ان کی رقابت جان لیوا عناد تک پہنچ گئی ۔ ایک دن جب کہ سکندر چلپی نے کوچ کے لیے خزانے کے صندوقوں پر مہر لگوائی تو ابراہیم کے محافظ دستے کے سپاہیوں نے اس کے ماتحتوں پر چوری کا الزام لگا کر انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ بڑی بے وقوفی کی حرکت تھی۔ غالباً اس کا بدلہ لینے کے لیے چلپی نے ابراہیم کو تبریز پر حملہ کرنے اور نام و نمود حاصل کرنے کا سبز باغ دکھلایا۔ وزیر اعظم نے اپنی نادانی سے یہ حماقت بھی کی ۔ اور یہ الزام لگایا کہ فوج کو ایرانیوں کے مقابل اس لیے کامیابی نہیں ہوئی کہ اسکندر چلپی نے رسد کا اچھی طرح انتظام نہیں کیا.....

یہ الزام عائد کر کے ابراہیم نے اس بوڑھے ترک اسکندر چلپی کو قتل کرا دیا۔ چلپی کو ابراہیم سے اس قدر نفرت تھی کہ اسنے مرتے وقت اس اقرار نامے کو تحریر کیا جس میں ابراہیم پر اس نے سازش اور غداری کا الزام عائد کیا۔

نہیں اس کے الفاظ میں کوئی صداقت نہیں ۔ صرف بین السطور یہ حقیقت واضح ہوتی تھی کہ وہ اتنا ہی بے قصور تھا جتنا کہ وزیر ابراہیم ۔ جس نے اسے بے وجہ قتل کرا دیا تھا۔ ابراہیم ہی نے سلیمان کو ایرانیوں سے جنگ پر اکسایا تھا۔ اپنے آپے سے باہر ہو کے ابراہیم نے ای جگہ سلطان کے لقب کے سامنے دستخط کیے تھے ۔ وہ سلیمان کو قتل تو نہیں کرانا چاہتا تھا مگر اپنے آپ کو محسن سے بڑا آدمی سمجھنے لگا تھا.....

اس شام کو تیرہ سال ہو گئے تھے جب سلطان نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دوست ابراہیم کو کبھی بے عزت کر کے وزارت کے عہدے سے برطرف نہیں کرے گا.....

اس دوران کتنی ہی بار ابراہیم نے اپنے ترک آقا کو کند ذہن ظاہر کرنے کے لیے تحقیر کا اظہار کیا تھا..... پھر بھی اگر اس کی کوئی ایسی خطا تھی جو کسی طرح معاف نہیں کی جا سکتی تھی تو وہ اسکندر ہی چلپی کا قتل تھا۔

سلیمان نے طے کر لیا کہ قسطنطنیہ پہنچنے پر ابراہیم کا بھی وہی حشر ہو گا جو اسکندر چلپی کا ہو چکا ہے۔

لیکن وہ اپنے حریف شاہ ایران کے مقابلے میں پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ شاہ طماسپ نے اس زمانے میں جب سلیمان بغداد میں تھا تبریز کو اور پہاڑی دروں کو دوبارہ فتح کر لیا تھا۔ غیظ و غضب کے عالم میں سلیمان ترکوں کو پھر پہاڑوں پر چڑھا کر لے گیا۔ دور تک ایران میں گھس گیا اور تیل کے چشموں والے بحریہ خزر تک پہنچ گیا۔ اس نے اردبیل کے قصبے کو جو شاہان ایران کا پرانا وطن تھا فتح کر کے تاخت و تاراج کر دیا۔ دشمن پھر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن ساری زمین ویران ہو گئی۔ سارے مرغزار جلا دیے گئے۔

جہاں سلیمان اپنی فوج سے کچھ دستے الگ کر کے لڑنے کے لیے بھیجتا ایرانی انہیں گھیر کے ان کا کام تمام کر دیتے۔ سلطان نے یہ فیصلہ کیا کہ ان حالات میں ایران کے کسی علاقے پر قبضہ قائم رکھنے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ واپس پلٹ کے اس نے تبریز کو لوٹنے اور شاہی محلوں کو نظر آتش کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے فوج کو

وطن کی جانب واپسی کا حکم دیا جہاں چراگاہیں سرسبز تھیں اور کوئی فصلوں کو چھیڑنے والا نہ تھا۔

ابراہیم اور اپنے ذاتی محافظ دستے کو ساتھ لے کر وہ سرعت سے قسطنطنیہ واپس پہنچ گیا۔

یہاں اب اس نے پابندی سے دیوان کے مقدمات کی سماعت شروع کی کوہ ابراہیم کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا۔ اس زمانے میں اسے نیند بھی نہ آتی تھی۔ جب مقدمہ کے تمام کاغذات مثل میں شامل ہو چکے تو ایک شام اس نے حکم دیا کہ اس کے اور ابراہیم دونوں کے لیے دیوان خاص میں کھانا چنا جائے۔ ابراہیم کی وزارت کے زمانے میں اکثر دونوں رات کا کھانا یہیں کھاتے تھے۔ اس رات کو بھی سلطان کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے میں ابراہیم کو کوئی انوکھی بات نہ معلوم ہوئی۔ اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ اسے اپنے گھر واپس جانے کی اجازت نہیں ملی۔ گھر جا کے وہ دن بھر کی کمائی ہوئی رشوت کا حساب کرنا چاہتا تھا۔

یہ دیکھ کر حسب معمول سلطان سوچ رہا تھا کہ اس نے لاپرواہی سے کہا "آپ نے ایرانیوں کی خوب گت بنائی وہ بہت دن تک اپنے زخم سینکتے رہیں گے"۔

سلیمان نے کہا ہاں اور پھر وہ دفعتاً کہنے لگا "یہ جنگ عاقبت اندیشی کے خلاف تھی"۔

جب سلطان اپنی خواب گاہ میں جانے لگا تو اس نے ابراہیم کو دیوان خانے میں ٹھہرنے کا حکم دیا حسب معمول ابراہیم کے لیے طاقچے سے نکال کر بستر بچھا دیا گیا۔

صبح کو طاقچے کی دیواروں پر خون کے دھبے تھے۔ دیوان خاص کے باہر ابراہیم کی لاش پڑی تھی جو سلیمان کا منظور نظر ہوا کرتا تھا۔ جلاد نے کمان کی گرہ دراز ہ سے اس کا گلا گھونٹا تھا۔ اور یہ زرہ ابھی تک اس کی گردن کے گرد تھے۔

ابراہیم کے متعلق مورخوں نے لکھا ہے کہ ''وہ حرص و آز کے خواب دیکھتے دیکھتے اپنے جال میں خود پھنس گیا'' اہل وینس نے اس کے متعلق لکھا ہے ''وہ اپنے آقا سے زیادہ اپنے آپ کو محبوب رکھتا تھا''۔

☆☆☆

جاہ و جلال

ابراہیم کے خون کے دھبے اسی طرح دیوار و طاق پر رہنے دیے گئے دوسرے دن جب عجم اوغلان نے..... غیر قوموں سے چنے ہوئے وہ لڑکے جو محل کے باغ والے مکتب میں زیر تعلیم تھے ان داغوں کو دھونا چاہا تو سلطان نے انہیں منع کر دیا۔ کئی برس بعد خدام قسم کھا کھا کے کہتے تھے کہ یہ دھبے تنبیہا باقی رہنے دیے گئے ہیں لیکن کس کی تنبیہ کے لیے؟

یہ سلیمان نے کبھی نہ بتایا اب اس کی خاموشی اور نمایاں ہو گئی تھی۔ بوڑھے خدام کو یہ شبہ ہونے لگا کہ اس کی آنکھیں اور اس کا دھانہ دن بدن اس کے والد یاوز سلطان مرحوم سے مشابہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ کہنے لگے "یہ ذمہ داریوں کی زحمت ہے؟ اس سے نیند کی گھڑی تک چھٹکارا نہیں"۔

ابراہیم کو قتل کرنے کے بعد سلطنت کا سارا نظم و نسق سلیمان کو خود سنبھالنا پڑا۔ جب خزانچیوں نے وزیر اعظم کے مال و دولت کا سارا ذخیرہ اکٹھا کر کے خزانے میں داخل کر دیا تو سلطان بنفس نفیس خزانہ عامرہ میں تشریف لے گئے۔ اسنے سنگ لاجورد کا وہ جام ملاحظہ کیا جو اسنے خود ابراہیم کو بخشا تھا۔ اور اس کے ساتھ فرانسیسی بادشاہ فرانسس کی یاقوت کی مہر والی انگوٹھی تھی..... موہاکس کی لڑائی کے بعد سے سلیمان اپنے اور ابراہیم دونوں کے کارناموں کی ساری تحسین و آفرین صرف ابراہیم کے لیے وقف کرتا آیا تھا۔

اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ بحیثیت وزیر اعظم کے اس نے ایک بوڑھے ترک ایاز پاشا کا تقرر فرمایا جو پرخور اور فربہ تھا۔ اور جس کی اولاد بے شمار تھی۔ ایاز پاشا اس لطیفہ پر ہنسا کرتا تھا۔ کہ اس کے حرم میں بچوں کے چالیس گہوارے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں۔ اس وفادار خادم کو عسکر کا لقب نہیں دیا گیا۔ اسے دیوان عام میں مقدمات کے فیصلے سے زیادہ مزہ آتا تھا کہ سہ پہر کو کشتی میں باسفورس کی سیر کا لطف اٹھائے۔ ایاز پاشا صرف الا ماشاء اللہ کہا کرتا تھا۔ سلیمان کو خود عرضیاں پڑھ کر فیصلے صادر کرنے ہوتے تھے۔ لیکن اس بوڑھے ترک کی زندہ دلی کی وجہ سے سلطان کا غم غلط ہو جاتا تھا۔

1536ء میں ابراہیم کی موت کے پانچ سال بعد کے عرصے میں اس سلطان عثمان کی فکر و تدبر کی بدولت ترک قوم انتہائی عروج و کمال پر پہنچ گئی۔ (فرانسیسیوں کے ساتھ پہلے عہدنامے پر تو دستخط ہو ہی چکے تھے۔ اس کے بعد اطالیہ پھر دھاوے کی مہم پیش آنی تھی۔ پری ویزا کی جنگ میں مقدس انجمن کو شکست فاش دی جا چکی تھی۔ ازابیلا کے شیر خوار بچے کو ہنگری کا بادشاہ بنانے کا قول دیا جا چکا تھا۔ چارلس کو الجزائر میں بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور ہنگری کی سدا کی لڑائیوں میں آسٹرویوں کے مقابلہ نئی فتوحات کی جا چکی تھیں۔)

سلیمان اب بنفس نفیس عسکر کی قیادت کرتا نہ امراء کے جمع کیے ہوئے دستے' نہ اس کے اپنے ینی چیری اور سپاہی ایاز پاشا کی سپہ سالاری میں کسی مہم پر جانے کی حامی بھرتے تھے۔ اس معاملے میں سلطان کے حکم کے مقابل پرانی رسم و روایت کو زیادہ

تقویت حاصل تھی۔ سلیمان نے ایک نیا تجربہ کیا کہ ینی چیریوں کی تعداد بڑھادی جو اس کے ذاتی حکم کے تابع رہتے۔

ینی چیریوں کی تعداد بارہ ہزار سے بڑھا کر اٹھارہ ہزار ہوگئی۔ اور شہسواروں کی تعداد میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوگیا۔ ان دونوں فوجی جمعیتوں کی تعداد بڑھا کے جو محض اس کے حکم کی تابع تھیں سلیمان نے اپنے لیے خطرہ مول نہ لیا کیونکہ اگر یہ ذاتی سپاہی بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تو خطرہ ہی خطرہ تھا۔

اس وقت جب کہ سلطان کی سطوت وشوکت اپنے معراج پر تھی اس قسم کے خطرے کا امکان بڑی مشکل سے نظر آتا تھا۔ مزید برآں آخری طاقت سلطان کی نہیں تھی۔ مفتی اعظم جو شریعت کا قاضی القضاۃ بھی تھا اگر یہ فتویٰ دے دیتا کہ باب عالی کا سلطان شریعت سے منحرف ہوگیا ہے وسلطان کا تاج خطرے میں پڑ جاتا۔ کم سے کم روایتاً اس کا امکان تھا۔

لیکن حقیقت میں اس کا قطعاً امکان نہ تھا۔ قضاۃ جانتے تھے کہ ان تھک سلیمان کے بعد اس کا مقبول عام فرزند مصطفےٰ تخت نشین ہوگا۔ شریعت کا کوئی سمجھ دار قاضی ایسے مبارک اور قابل تعریف خاندان سے انحراف کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔

تاہم سلطان کو اس کا بڑا احساس تھا کہ نظم ونسق اور قانون شریعت کے مابین تفاوت بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ بالکل وہی بات تھی جیسے یورپ کی قوموں میں کلیسا اور سلطنت کے مابین اختلافات تقویت پکڑ رہا تھا۔ اسلامی قانون الارض فی اللہ پر مبنی تھا۔ جس میں سلیمان کی حیثیت سلطنت عثمانیہ کے نگہبان خلیفۃ اللہ فی الارض کی

تھی اس کے مکتب میں نئے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وزیر اعظم سے لے کر کم سن سے کم سن عجم اوغلانون تک جو پھولوں کے پودوں کو پانی دیتے تھے۔ اور محاسی کے معمولی دفتریوں تک سبھی اللہ تعالیٰ کی رضائے باقی کے جویا اور خادم تھے۔ شریعت دام و باقی تھی۔ لیکن سلطان کی سلطنت جبھی تک رہتی جب تک ان کا آخری مقررہ وقت نہ آجاتا۔ قانون شریعت اپنے اصول و اوقات کا پابند رہا۔ قاور فقہ حدیث پر قائم رہا۔ ترکوں نے اسے تہ دل سے قبول کرکے اپنالیا تھا۔ اس شریعت کے محکم کے قضاۃ اپنے کتب خانوں اپنے عقائد اور اپنی ملکیتوں کا بڑی احتیاط سے تحفظ کرتے آئے تھے۔ اس لیے ترک قانون جو شریعت پر مبنی تھا اپنی جگہ قائم رہا اسی اثناء میں نظم ونسق حکومت جو عیسائی نسل کے غیر ملکوں سے لائے ہوئے نوجوان کے ہاتھ میں تھی اپنی جگہ ترقی کرتا رہا۔

اب تک سلیمان نے اپنے نظم ونسق حکومت کی مدد کی تھی اور اس میں اکثر اس نے بعض بعض قاضیوں کے فتووں کو مسترد کردیا تھا۔ اس وقت کی رائے یہ تھی کہ سلطان سلیمان پر یورپ کے خیالات کا قرآن پاک سے زیادہ اثر ہے۔ لیکن اب ایشیاء کی درگاہوں اور خانقاہوں کی زیارت کے بعد سلطان سلیمان پر قرآنی تعلیمات کا اثر بہت زیادہ گہرا ہوگیا تھا۔

اس لیے کچھ عرصہ تک تعلیم یافتہ عہدہ داران نظم ونسق اور شریعت کے قضاۃ کے درمیان توازن قائم رہا۔ لیکن ایسا توازن ایک بڑھتی ہوئی سلطنت میں زیادہ دیر تک مشکل ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔

ابراہیم کے زوال کے بعد بارہ سال کے عرصے میں سلطان نے صرف دوبار فوج کشی کی تھی بڑی شان وشوکت سے سلطنت کی سرحدوں کو پھر سے مستحکم کرنے کے لیے اور ایک مرتبہ اس موقع پر جب اس نے ازابیلا سے عہد کیا کہ ایک دن اس کا بیٹا ہنگری کا بادشاہ بنادیا جائے گا۔

☆☆☆

ایشیا کے مرغزاروں میں

سلیمان کو مرغزار بہت پسند تھے۔ ہنگری کے میدان کو وہ اعراف سمجھتا تھا۔ جو کارپیتھین پہاڑوں کے عظیم حلقے کے مشرق میں ہیں ولاخ (ولاچیا) کی چراگاہیں اس کے لیے فردوس بریں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وہ بڑے اطمینان سے ان گھاس سے ہرے بھرے میدانوں کے درمیان سیر کرتا ہوا چلا جا رہا تھا یہ سرزمین اس سمندر (بحیرہ اسود) کے اطراف ایک حلقہ سا بناتی تھی جو ایک ترکی جھیل بن کے رہ گیا تھا (اور سلیمان کا ارادہ تھا کہ یہ سمندر ترکی جھیل بنا رہا ہے) بحیرہ اسد جس کو ترک قرا ولینز کہتے تھے۔ ان کے لیے ایسی ہی اہمیت رکھتا تھا جیسے بحیرہ روم۔ سلطان کا ایک خطاب سلطان البحرین بھی تھا (بحرین سے بحیرہ اسود اور بحیرہ ابیض یعنی مامورا) مراد تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ تاتاران زریں خیل کے زمانے سے یہ سمندر اطالوی جہازوں کے لیے وقف ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں پولو خاندان کے دونوں بھائی یہاں کی حسین بندرگاہوں اور ترابزون میں تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ تمام بندرگاہیں اور ان کے خندق ترکوں کے قبضے میں آئے تھے..... سمندر کے ختم پر اس کنارے تک جہاں دور سے کوہ قاف کی دھندلی دھندلی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ کوہ قاف کے علاقوں سے بھی اگر سلطان کے فرمان کی ہر جگہ تعمیل نہیں کی جاتی تھی تو کم سے کم اس کی وقعت بہت کی جاتی تھی۔

وینس کے سوداگر جن کے ہاتھ میں بحیرہ اسود کی بیشتر تجارت میں مجبوراً سلطان

سلیمان کے حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ عثمانی ترکوں کی مطلق صلاحیت نہ تھی کہ اور وہ سان مارکو (وینس) کے تاجروں کو تجارت کی اجازت دے کر مطمئن تھے۔ ان تاجروں کو اس خاموش سمندر سے شرابیں موم مویشی اور غلہ برآمد کرنے کے معاوضے میں محاصل ادا کرنے پڑتے تھے۔

سمندری تجارت کا اتنی سہولت سے انتظام کرنے کے بعد سلیمان نے اپنی توجہ اس پر مبذول کی کہ اس سمندر کے ساحلوں پر امن و امان قائم رہے اور یہ اس کے لیے نہایت پسندیدہ کام تھا۔ وہ دل سے اس کی طرف مائل تھے کیونکہ اس نے اپنی خوابوں بھری جوانی کے دن کافا کے علاقے میں گزارے تھے۔ اس کی ماں اور اس کی بری بیوی گل بہار انہیں ساحلوں کی رہنے والیاں تھیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ایک لحاظ سے سلطان سلیم کافر زندیہان اپنے گھر واپس آ رہا تھا۔ یہاں دیہاتوں میں ترکی زبان بولی جاتی تھی۔ اچھی نسل کے گھوڑے پروان چڑھتے تھے۔ اور یہاں کے لوگ سلطان کو اپنی تقدیر کا مالک جانتے تھے۔ وہ تحفتہً اس کی خدمت میں دودھ اور گھوڑا اور وہ سونا پیش کرتے تھے جسے چپسیوں نے تیز بہتی ہوئی ندیوں سے کھنگال کھنگال کر نکالا تھا۔ وہ جب اس کے حضور سے رخصت ہوتے تو خوش خوش جاتے۔

یہاں وہ سلطان کم تھا اور سلیمان خاں زیادہ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہاں وہ خانہ بدوشوں کا بادشاہ تھا جو شہروں کی زندگی پر قدرت حاصل کر چکا تھا۔ لیکن اب بڑی شان و شوکت سے پھر خیمہ و خرگاہ کے ساتھ واپس آیا تھا۔ اور اس کا خیمہ اتنا

شاندار تھا کہ خواب کی چیز معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دست و زبان کو وہ طاقت وقوت حاصل تھی جو کانہ بدوش سرداروں کو کبھی خواب وخیال میں بھی نصیب نہ ہو سکی تھی۔ اس کی جنبش لب سے محاصرے کا توپ خانہ گرجنے لگتا۔ اور صف بہ صف ینی چیریوں کی قطاریں کوچ کرنے لگتیں۔

جب تک سلیمان زندہ رہا اس نے اس توپ خانے یا ان ینی چیری سپاہیوں کو بحیرہ اسود کے کناروں پر کبھی استعمال نہیں کیا۔

مرغزروں سے ہو کر جو جانی پہچانی ہوئی سڑک جاتی تھی وہ خود سلطان کے لیے خوشی اور راحت کا موجب تھی (رو کسے لانا اس کے ساتھ نہ تھی) یہ بڑے بڑے دریاؤں پر سے ہو کر گزرتی تھی دریائے ڈینیوب جس کے کنارے دلاخوں کے مکان خوشبودار بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے یہاں مویشیوں کے نیلوں میں عیسائی رعایا سرخ وسفید شرابیں پیتی اور جپسیوں کی سریلی بانسری بجاتی اور ناچتی۔ اس کے آگے ٹرانسلے وینیا کے سرو وصنوبر کے جنگل تھے۔ یہاں کارپتھین پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی تھیں۔ اور آگے اہل رومتہ الکبریٰ کے حماموں کے کھنڈر تھے اور چمکتی ہوئی ریت کے پاس دریائے پروتھ بہتا تھا.....

یہاں اسنے پری ویزا کی فتح کی خبر سنی تھی۔ اس کے آگے دریائے نیسٹر کی وادی کی چراگاہیں تھیں۔ یہاں کی عیسائی رعایا ابھی تک رومتہ الکبر یکے افسانوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھی۔ اپنے آپ کو رومانی اور اپنے ملک کو رومانیہ کہتی تھی۔ اہل ٹرانسلوے نیا کی طرح یہاں کے لوگ تھی ترک سنجق بے کے محکوم نہیں تھے بلکہ محض

معمولی سا خراج ادا کرتے تھے۔

اس کی سلطنت کی اس سمندر کے کنارے والی عیسائی رعایا کے درمیان کچھ یونانی کاریگر رہتے تھے۔ جنہوں نے اہل وینس سے شیشہ سازی اور شیشہ کے ظروف بنانے کا ہنر سیکھا تھا۔ انہوں نے طباعت کے لیے سیسے کے حروف بنانے کا ہنر سیکھا تھا۔ اور کھردری کھردری کتابیں شائع کرتے تھے۔

ان چراگاہوں کے اس پار جن میں کہیں پتھر نظر نہ آتے تھے گھاس کا اصلی میدان شروع ہوتا تھا۔ جہاں سوکھی گھاس اتنی اونچی اونچی اگتی تھی کہ سوار کی کمر تک پہنچتی تھی۔ اس سوکھے خشک گھاس کے میدان میں جہاں سے ہوکر دریائے نیپر جوش کھاتا ہوا سمندر کی طرف جاتا تھا' رہنے والے لوگ خانہ بدوش تھے' اور پانی کے رخ ہجرت کرتے جاتے تھے۔ اس میدان میں اونچی اونچی گھاس کے درمیان سے مسلمانوں کے مقبروں اور مسجدوں کی مدد سے چھتیں بلند رہوتی تھیں۔ یہاں سب نے سلطان سلیمان کو خلیفۃ المسلمین مان کر اس کے آگے سر جھکایا۔ ان چراگاہوں کے رہنے والے جب مسجدوں اور درگاہوں کے سامنے اپنے گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا ہو جاتے تو سلیمان میں ایک خاص عظمت کا جذبہ محسوس کرتے۔ ایک ایک ماہ کی مسافت تک ہر طرف سلیمان کا لفظ سب کے لیے اٹل قانون تھا۔

سلیمان نے وہاں منزل کی جہاں نمک کی دلدلیں ستاروں کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ بہت دور شمال میں دو عیسائی بادشاہوں کے علاقے تھے۔ اور دونوں اس کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ پولینڈ کا بادشاہ اس لیے سلطان سے خوش تھا کہ اس کے

دشمن سلطان کے دشمن تھے۔ اور ماسکو کا امیر اعظم سموروں کے تحفے سے اسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے پرانے دشمن تاتاریوں کے خان سلطان کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

لیکن عین اس زمانے میں پولینڈ اور ماسکو کی زمینوں سے آئے ہوئے کچھ پناہ گزین دریاؤں کے راستے ان چراگاہوں کی زمینوں میں گھستے چلے آرہے تھے۔ سلطان نے انہیں توجہ اور اعتنا کے قابل نہ سمجھا۔ ان پناہ گزینوں کے مکانات دریائے نیپر کے جزیروں میں دریائی گھاس سے چھپے رہتے تھے۔ لمبی لمبی کشتیوں میں یہ دریاؤں کے دھارے کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف بڑھتے جاتے۔ چراگاہون میں بھی ان کے گاؤں ماسکو کی سرحد کی چوکیوں اور تاتاریوں کی سڑکوں اور راستوں کے درمیان تعمیر اور نمودر ہونے لگے تھے۔ یہ لوگ کبھی آوارہ گرد بنتے کبھی آباد ہو جاتے اور لڑتے پھرتے ان چراگاہون کے پرانے باشندے انہیں چرکسک یا قزاق کہتے دریائے ڈان کے کنارے جس کا پانی آہستہ آہستہ بہا کرتا تھا۔ زرخیز کالی زمین کے علاقوں میں یہ کاساک بڑھنے اور پروان چڑھنے لگے۔

لیکن سلیمان بحیرہ اسود کے کنارے بہت سی قوموں کی ایک اور پناہ گاہ سے واقف تھا۔ یہ کریمیا کا جزیرہ نما تھا جو شمال کے وسیع میدان سے صرف ایک تنگ سی خاکنائے سے جڑا ہوا ہے۔ اس راہ سے بہت سی قومیں گزری تھیں۔ اور اپنی کچھ نہ کچھ نشانیاں چھوڑ گئی تھیں۔ یہاں گاتھ قوم کی نسل کے لوگ باقی تھے جو جرمانی زبان بولتے تھے اور مان کوپ قلعہ کی سنگلاخ چٹان کی بلندیوں پر رہتے تھے۔ یہاں یونانی

کاریگر تھے۔ یہودی تھے جو مرغزاروں اور چراگاہوں کے اس پار سے آئے تھے لیکن زیادہ تر باشندے تاتاری تھے جن پر ابھی تک چنگیز خان کے نام لیواؤں کی حکومت تھی۔ یہ تاتاری خان جو کہ یم خیل کے سردار تھے۔ باغچہ سرائے میں بھدی نیلی اینٹوں کے محلوں میں رہتے تھے۔

اس مرتبہ سلطان نے کریمیا کے قلعہ بند علاقے کا رخ کرنے کی جرات نہیں کی۔ پہلے وہ یہاں رہ چکا تھا اور کریمیا کے خانوں سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ شاید اسی لیے اس نے کریمیا کا رخ نہیں کیا۔ وہ اپنے پیچھے ایشیائے کوچک اور یورپ میں جتنے ترک خاندان چھوڑ آیا تھا ان کے مقابلے میں اس کے تاتار حلیفوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ ان کے یورت (تاتاری خیمے) ایک طرف استراخان تک پھیلے ہوئے تھے (جو بحیرہ خزر کے شمال میں واقع تھا اس سمندر کی جھلک سلیمان نے شمالی ایران کے پہاڑوں سے دیکھی تھی) دوسری طرف قازان تک کا سارا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ یہ شہر دریائے وولگا کیاس موڑ پر واقع ہے۔ جہاں سے یہ دریا جنوب کی طرف مڑتا ہے۔ اس علاقے میں تاتاریوں کے تینوں خیل بھیڑ بکریوں کیطرح اپنے سواروں کا شمار ہزار در ہزار کی تعداد میں کرتے تھے۔ وہ عثمان سلطان کی سیاحت کو ان نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے کتے اکیلے بھیڑیے کو اپنے میدان میں گزرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ کسی وجہ سے اس کے خزانے میں مدکریمیا کے خانوں کے وظیفے کے متعلق تھی وہ سگ بندوں کا وظیفہ کہلاتی تھی۔

ان تاتاری خانوں کے بیٹے قسطنطنیہ میں رہتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت ترکی

انداز میں ہوتی تھی۔ ترکی حکومت کا پرامن نظم ونسق باقی ماندہ کانہ بدوشوں کو بڑا حیرت ناک معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ سلیمان کی طاقت وحشمت کو ایک معجزہ سمجھتے تھے۔ اور اس کی تعظیم کرتے تھے جب یورپ کی عیسائی طاقتوں سے جنگ ہوتی تو وہ سلیمان کے ساتھ مل کر یلغار کرنے پر فوراً تیار ہو جاتے چنانچہ انہیں شاہسواروں نے آسٹریا کو پامال کیا تھا۔

کریمیا کے خانوں پر سلیمان کا اثر بڑی غیر متوقع صورتوں میں نمودار ہوتا۔ ایک خان نے قسطنطنیہ کے سفر کے بعد یہ حکم دیا کہ اس کے علاقے میں جتنے کبت کا (ایسی گاڑیاں جن پر خیمے لگے ہوتے تھے اور جنہیں کئی کئی بیل کھینچتے تھے۔ اور جن میں ایک ایک خاندان آباد ہوتا تھا) ہیں سب کے سب توڑ ڈالے جائیں۔ اسے امید تھی کہ اس کے قبیلے کے تاتاری خوشحای عثمانی ترکوں کی طرح شہروں میں رہنے لگیں گے۔ ایک اور خان نے باغیچہ سرائے میں اپنے وظیفے حمام عام نہریں اور چھوٹے چھوٹے محل ترکی انداز میں تعمیر کرانے شروع کیے۔ اس عرصے میں سلیمان نے تاتاری خانوں کے جانشینوں کو نامزد کیا اور ان کے لیے نئی چیری کے چھوٹے موٹے دستے فراہم کیے..... اس نے ان تاتاریوں کو بھاری توپ خانے بھی مرحمت فرمائے۔

کریمیا کے تاتار فوراً ہی ان توپ خانوں کو اپنی بڑی بڑی گاڑیوں میں چڑھا کے چراگاہوں کے اس پار لے گئے تاکہ ان ماسکو کے کریملن پر گولہ باری کریں جو بلندی پر واقع تھا۔ یہ تجویز صاحب غرئی کی تھی جس نے اپنے ساتھ ینی چیریوں کا

ایک دستہ بھیج دیا تا کہ توپوں کی نگہداشت اور پرداخت ہو سکے۔ بعد میں اس نے ماسکو کے امیر اعظم ویسلی کو خط لکھا کہ حملہ غلطی سے ہو گیا ہے۔ اصل میں اس نے اپنے دشمنوں کو لتھوانیا پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن وہ اتفاق سے ماسکو کی سڑک پر ہو لیے۔ اور انہوں نے یہ شکایت لکھ کر بھیجی کہ رومیوں سے صلح کرنے کا کیا فائدہ؟ صلح میں فی کس مشکل سے ایک سمور ملتا ہے اور جنگ میں ہمیں ہزاروں سمور ملتے ہیں"۔

صاحب غرینی نے اپنے خط میں اور آگے لکھا "اسد لیل کی وجہ سے میں خاموش ہو گیا اب آپ فیصلہ کریں کہ آپ صلح کرنا چاہتے ہیں یا جنگ لیکن اگر آپ دوستی برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اتنے تحفے بھیجیں جن کی قیمت تین چار سو جنگی قیدیوں کے برابر ہو۔ اس کے علاوہ آپ سونے یا چاندی کے سکوں میں ایک کثیر رقم بھی بھیجیں سدھے ہوئے شہباز بھیجیں اور ایک سانا نبائی بھیجیں جو نان بنا سکے اور کھانا بھی اچھا پکا سکے"۔

اس بے فکری کے انداز میں ترکوں کی روسیوں سے پہلی مڈبھیڑ ہوئی جو نسلاً بعد نسلاً ان کے سب سے بڑے دشمن اور حریف بننے والے تھے۔ سلیمان خود ان چراگاہوں کے حملوں میں دخل نہ دیتا۔ جن کا انداز برق و رعد کے سے طوفانوں کا تھا کہ آئے اور گزر گئے۔

اس نے دوسرے علاقوں میں اپنی فتوحات کا فرمان تحریر کر کے کریمیا کے خانوں کی عزت افزائی کی۔ اس قسم کے فرمان وہ اپنے حلیفوں اور باز گزاروں کے

نام جاری کیا کرتے تھے۔ جیسے وینس کے دوجے مصر کے مملوک سردار اور گوسا کے آزاد شہر کی مجلس۔

یہ تاتاری ہر طرف سے روسی علاقے کے حاشیوں پر آباد تھے۔ ان پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے سلیمان نے ایک تجویز سوچی۔ اس نے اعلان کیا کہ جس طرح اس نے کریمیا کے خانوں کے جانشینوں کو بنفس نفیس نامزد فرمایا اسی طرح وہ قازان اور استرا خان کے تاتاروں کے خانوں کا انتخاب کرے گا۔ تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس فیصلہ کے چند ہی سال بعد ماسکو کے تخت پر ایک ایسا لڑکا بیٹھا جس کے ذہن میں عجیب وغریب طرح کے خیالات کا ہجوم تھا۔ یہ اوان چہارم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اور اس نے ضد کر کے اپنے لیے زار (قیصر) کا لقب تجویز کیا۔ دور دور تک یہ اوان خونخوار کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس نے جب اور زیادہ طاقت حاصل کرنا چاہی تو قریب قریب کی پہلی مہم جو اس نے سوچی وہ قازان اور استرا خان کے انہیں مسلمان تاتاریوں کے خلاف تھی۔

لیکن اس درمیان میں 1543ء میں سلطان سلیمان نے صاحب غرینی کے بیٹے کو ہنگری کے پار کی مہم میں ہمرکابی کا حکم دیا۔ اس وقت بحیرہ روم بازی گاہ میں بھی ایک ڈراما ہو رہا تھا جس کا سب سے اہم کریکٹر خیر الدین باربروسا تھا۔

☆☆☆

باربروسا کا آخری مذاق

ادھر کئی سال سے سلیمان نے بحری بیلر بے خیرالدین باربروسا کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ بحیرہ روم میں جو چاہے کرے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ باربروسا کے جنگی معجزوں کا بار خزانہ عامرہ پر نہیں پڑ رہا تھا۔ بلکہ مال غنیمت سے خزانے کی آمدنی میں اضافہ ہو رہا تھا اس مقصد کے لیے باربروسا کو بہت تھوڑے سامان کی ضرورت تھی۔ بس لکڑی' بادبانوں کے لیے کپڑا' بارود اور بیس تیس ہزار سپاہی جن میں نصف کے قریب یوروپین قیدی تھے جو پتوار کھینچنے کے کام آتے تھے۔ یہ سارا ساز و سامان سلیمان کے پاس بڑی وافر مقدار میں موجود تھا اور باربروسا کی عادت تھی کہ وہ جتنا ساز و سامان لے جاتا ہر مہم سے اس سے زیادہ سامان واپس لے کر لوٹتا۔ مزید برآں اس بوڑھے شیخ البحر کی یہ قوت عمل سلطان کے اس نئے ارادے میں بڑی متمد و معاون ثابت ہو رہی تھی کہ وہ ترکوں کی سرحد کے باہر ایک نئی چیری کی جان بھی خطرے میں نہ ڈالے اور ساتھ ہی ساتھ عیسائی بادشاہوں کو سمندر میں ہراساں کرتے رہے۔

1543ء کے موسم بہار میں باربروا نے ایک بہت بڑی عنایت کی درخواست کی۔ یہ کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے امیر البحر کی حیثیت سے ترکی بیڑے کو جنوبی فرانس لے جائے۔

یورپی درباروں کا نقشہ الجزائر میں چارلس کی شکست کے بعد پھر بدل گیا تھا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم نے فرانسیسیوں کا ساتھ چھوڑ کے شہنشاہ چارلس کی حمایت شروع کر دی تھی۔ اسی زمانے میں شاہ فرانس فرانسس نے جواب بوڑھا ہوتا جا رہا تھا پھر سے شمالہ اطالیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ اس کی جوانی کا خواب تھا اور اس کے بڑھاپے کی آرزو، ممکن ہے کہ اس کی بہو کیتھرائن نے اسے اس مہم پر اکسایا ہو جو میدی چی خاندان سے تھی، اس نے پھر اپنے حلیفوں یعنی ترکوں (جن کو وہ کھلم کھلا اپنا حلیف تسلیم نہیں کرتا تھا) سے استدعا کی کہ ترک بھی ساتھ ہی ساتھ مقدس سلطنت روما پر حملہ کریں۔ سلیمان خشکی کے راستے اور باربروسا فرانسیسی بیڑے کے ساتھ مل کر بحری راستے سے۔

فرانسس کا خیال تھا کہ یہ حملہ بڑا سخت ہوگا، اور چارلس اس کی وجہ سے پریشان تھا۔ لیکن دراصل اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ سلیمان کو یورپ کی گٹھ بندیوں میں دوست یا دشمن کی حیثیت سے شریک ہونے کی کوئی خاص خواہش نہ تھی۔ اس لیے اس نے محض ہنگری کے میدانوں کا ایک گشت لگایا جہاں واپو کی ہزیمت کے بعد چارلس یا فرڈی نینڈ کسی نے اس کے مقابلے میں آنے کی فکر نہ کی۔ اس گشت کے بعد اس نے پھر سے ان تمام قصبوں پر قبضہ کر لیا جن پر اس کی ایشیا کی مہم کے زمانے میں فرڈی نینڈ نے قبضہ کر لیا تھا لیکن باربروسا کا عمل اس سے بہت مختلف تھا۔

اس نے مغرب کی جانب سفر کرنے کی اجازت طلب کی تا کہ وہ دوریا اور شہنشاہ چارلس کے خلاف اپنی لڑائی کو فرانس کے خالص ترین عیسائی بادشاہ کا مہمان بن کر تمام کو پہنچا سکے۔ بہت پس و پیش کے بعد سلطان نے اپنے امیر البحر کو کوچ کر جانے

کی اجازت دی اس کی اصلی طاقت ایک سو دس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھی جس کے ساتھ چالیس اور جہاز تھے۔ ان جہازوں پر تیس ہزار کے قریب آدمی تھے۔ پورے ترکی بیڑے کو اس طرح خطرے میں ڈالنا بڑی ہمت کا کام تھا۔ لیکن سلیمان کو پری ویزا کی فتح یاد تھی۔ اس نے بوڑھے شیخ البحر کو اس مہم کی اجازت دے دی۔

باربروسا خوشی خوشی گیلی پولی سے روانہ ہوا۔ اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا یورپ کی تاریخیں اس کا ذکر کرنے سے کتراتی ہیں کہیں باربروسا کے نقطہ نظر سے یہ کہانی بیان کرنے کے لائق ہے۔

باربروسا آبنائے سینا میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں کا مدوجذر خطرناک ہے۔ یہاں اس کے جہازوں پر ریجیو کے قلعے سے آتش بازی کی جاتی ہے۔ قلعہ والوں کی توقع کے جواب میں وہ بھی گولہ باری کرتا ہے۔ اور قلعہ پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جہاں اسے ایک بڑی حسین لڑکی ملتی ہے جو قلعہ کے کمانڈر کی بیٹی ہے۔ وہ اس لڑکی کو حاصل کر کے اپنے نئے خسر کو ترکی خطاب عنایت کرتا ہے

اٹلی کے ساحل پر وہ چی دے تاویکیا کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے' اور اس ساحلی شہر کے لوگوں کو حملہ کے ڈر سے ہراساں کر دیتا ہے۔ لیکن ساتھ کے فوجی اس کی خوشامد کرتے ہیں کہ اس بندرگاہ کو نہ چھیڑے کیونکہ یہ پاپائے روم کے علاقے میں ہے جو اب فرانس کا حلیف ہے۔ کوئی باربروسا کو نہیں چھیڑتا اور وہ لی آں کی خلیج میں داخل ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فرانسیسی بیڑا اس سے آن ملنے والا ہے۔ یہاں اس کا ساتھی امیر البحر فرانسوا آبوربوں دوک دآنگیاں پورے آداب و رسوم کے ساتھ

اسے سلامی دیتا ہے۔لیکن دانگیاں کے ساتھ بڑی مختصر سی بحری قوت ہے۔بس کوئی بائیس جنگی کشتیاں، اور کوئی درجن بھر جنگی جہاز باربروسا اس وقت تک خوش نہیں ہوتا جب تک کہ فرانس کا امیر البحر جو اس سے رتبے میں کم ہے اور جس کی طاقت کم ہے اپنا پرچم اتار کے ترکی پرچم ..... سبز جھنڈا اور ہلال ..... بلند نہیں کرتا۔

ترکوں کے مقابلے میں فرانسیسیوں کو بحری لڑائی کی بہت کم خواہش تھی۔لیکن باربروسا کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ دوسو جنگی کشتیوں کو بیکار لیے بیٹھے رہنے سے کیا حاصل ہے۔وہ یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ جنیوا پر قبضہ کرلیا جائے۔جہاں دوریا اپنے باقی ماندہ بیڑے کے ساتھ پناہ گزیں ہے۔فرانسیسی یہ نہیں مانتے۔دانگیاں کہتا ہے کہ اس کے پاس بارود نہیں۔باربروسا غصے کے عالم میں کہتا ہے کہ ''تم کیسے سپاہی ہو تم نے بارود کے ڈبوں میں بجائے بارود کے شراب بھر رکھی ہے''۔

وہ فرانسیسیوں کو عاریتاً بارود دیتا ہے۔جو اسے وینس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ترک قصبے پر قبضہ کر لیتے ہیں۔لیکن قلعہ میں مالٹا کا ایک نائٹ جم کر مقابلہ کرتا ہے۔قلعہ پر ترکوں کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی یہ اطلاع ملتی ہے کہ شہنشاہ چارلس کا ایک لشکر نی کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔ترک شہر کو لوٹ اور جلا کے پھر سے اپنی جنگی کشتیوں پر سوار ہو جاتے ہیں۔

اب بحری سرگرمی کا موسم ختم ہو رہا ہے۔فرانس اپنے ترک مہمانوں کو طولوں کی بندرگاہ میں موسم سرما گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔وہ پروانس کے صوبہ دار کو حکم بھیجتا ہے کہ ''لارڈ باربروسا جس کو ترک اعظم نے ہمارے پاس بھیجا ہے اور اس کی ترک

فوج اور امرائے عالیشان جن کو مجموعی طور پر تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ سرما کے دوران میں طولوں کے قصبے اور بندرگاہ میں اپنا مہمان بناؤ تا کہ انہیں رہنے کے لیے جگہ ملے اور اس پورے ساحل کی حفاظت ہو سکے۔ یہ مناسب نہیں ہوگا کہ طولوں کے باشندے شہر ہی میں رہیں اور ترکوں سے ملیں جلیں، کیونکہ اس سے دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے"۔

جب صوبہ دار نے ملولون کی آبادی کے بیشتر حصے کو مارسی منتقل کیا تو احتیاطاً توپ خانہ بھی یہاں سے اپنے ساتھ لے گیا بہر حال جب یہ ترک جن کے نام سے سب کو لرزہ آتا تھا شہر طولوں میں داخل ہوئے تو انہوں نے صرف غذا کی فراہمی کے لیے کہا اور یہ فرمائش کی کہ کلیسا کی گھنٹیاں نہ بجائی جائیں۔

لیکن یہ بے کاری ترکوں کی بحری برداری کو مطلق نہ بھاتی۔ جاڑے کے طوفانوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی صالح رئیس نے نکل کے سپین کے ساحل پر دھاوے شروع کر دیے۔ ترکوں کی جنگی کشتیاں بیلیارک جزیروں کو چھاننے لگیں۔ وہاں سے جو قیدی پکڑ کر لائے گئے انہیں مارسی کے بازاروں میں فروخت کیا گیا۔ فرانس کو یہ ڈر معلوم ہونے لگا کہ کہیں باربروسا طولون ہی کو چارلس کے ہاتھوں فروخت نہ کر دے۔

جب باربروسا سے کہا جاتا کہ اب جنگ ختم ہو چکی ہے اور پھر جہاز رانی کا موسم آ گیا ہے اب اپنے گھر کا راستہ لو تو وہ بہرا بن جاتا۔ طولون کو اس نے بڑی شاندار بحری اڈہ بنا لیا۔ یہ شہنشاہ چارلس کے وطن اسپین سے قریب قریب ملحق ہی تھا۔

دوسری طرف یہ دوریا کے اپنے شہر جنیوا سے اور بھی قریب ہے اس اڈہ سے وہ اطمینان سے ادھر ادھر حملے کر سکتا تھا اور سارا خرچ شاہ فرانس کو اٹھانا پڑتا تھا۔ صوبہ دار نے شکایت لکھ کر بھیجی کہ وہ تو اطمینان سے اپنا وقت گزار رہا ہے۔ اور فرانس کا خزانہ خالی ہو رہا ہے۔

اگر فرانسیسی بحری لڑائی کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکلنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے باربروسا کو اسی لیے دعوت دی تھی تو باربروسا کو ان کے اس رجحان سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ کیوں لڑائی نہ کرے؟ اس کے سپاہی سپین پر دھاوا نہیں کر رہے تھے ان میں سے اکثر اندلسی تھے اور وہ سپین سے جلاوطن کیے گئے تھے اب وہ اپنے وطن واپس ہو رہے تھے۔ انہیں چارلس نے اپنے وطن لیس باہر نکالا تھا۔ ترکی کے سلطان المعظم کے امیر البحر ہونے کی حیثیت سے اور فرانس کا حلیف ہونے کی حیثیت سے کیا یہ اس کا فرض نہیں تھا کہ شہنشاہ چارلس کی سلطنت کے ساحلوں کی ناکہ بندی کرے اور جو تجارتی جہاز اس کے ہاتھ آئیں انہیں گرفتار کر لے

اب ترکی بڑے کے سوا کسی اور بیڑے کی مجال نہ تھی کہ مغربی بحیرہ روم میں کھلے سمندر میں نکل آئے۔ باربروسا نے طولون کی بندرگاہ میں اپنے جہازوں کے شاہ فرانس کے کرچ پر مرمت کی اور صوبہ دار کے محل سے وہ وسیع نیلے سمندر کو دیکھتا رہا جس کے ایک پار الجزائر کی بندرگاہ تھی اس کی اپنی بندرگاہ جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ اب یہ بالکل محفوظ ہے۔

فرانسیسیوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح اسے چلتا کریں معلوم ہوتا ہے سلیمان نے اسے واپس بلانے سے انکار کر دیا ہے۔

باربروسا کی عمر اب ستر سال کی تھی اس کی جوان کے زمانے کی طاقت عمل اور سرگرمی دھیمی پڑ گئی تھی جس کا اظہار وہ افریقہ کے حملوں کے زمانے میں کیا کرتا تھا لیکن اس کی موجودگی ہی اس کے لیے کافی تھی کہ پھر سے فرانسس اور دوریا کے درمیان خفیہ عہد و پیمان کا سلسلہ شروع کیا جائے اور شہنشاہ چارلس کے ساتھ ایک نیا معاہدہ ہو جائے جو امن نامہ کریپی کے نام سے مشہور ہے۔

جب یہ معاہدہ ہو چکا تو باربروسا نے طولون کو فرانسس کے سپرد کیا اس کا ایک بڑا معتمد بحری سردار دوریا کے پاس قید تھا۔ اس کی آزادی کا پروانہ حاصل کر لیا چار سو اور مسلمان قیدی دوریا کے قبضے سے چھڑا لیے۔ اپنے سارے سپاہیوں کے لیے روزینہ اور خورد و طعام کا خرچ وصول کر لیا۔ اس وقت تک کے لیے جب تک کہ وہ شاخ زریں واپس نہ پہنچ جائیں۔ فرانسس نے خود اسے خلعتیں اور جواہرات انعام میں دیے۔

گھر جاتے ہوئے چارلس کی سلطنت کے ساحلوں کو اس نے دہشت سے لرزا لرزا دیا۔ وہ بڑی شان سے اپنے پرچم اڑاتا ہوا دوریا کے وطن جنیوا کے قریب سے ہو کر گزرا البا پر چھا گیا اور اٹلی میں ٹسکنی کے ساحل پر اس نے جی لیو کا جزیرہ فتح کیا اور پورا تو ارکو لے کر تاخت و تاراج کیا۔ پاپائے روم کی سرزمین کے اطراف میں گھومتا ہوا اس کا بحری بیڑا خلیج نیپلز میں آ پہنچا۔ یہاں کے جزیروں کا اس نے صفایا

کر دیا۔ پوتسوولی میں اترا' اور نیپلز کے شہر کے دروازوں تک پیش قدمی کی۔ مسلینا کی آبنائے سے گزرنے سے پہلے اس نے لپاری کے جزیروں کا صفایا کیا۔

جب وہ مرکز سرائے کا چکر لگاتا ہوا قسطنطنیہ میں داخل ہوا تو جتنے جہاز اور جتنا سامان جتنے آدمی وہ لے کر گیا تھا اس سے زیادہ جہاز سونے سے بھرے ہوئے صندوق آدمی اور قیدی لے کر واپس پہنچا۔

کہا جاتا ہے کہ سلیمان باغچہ سرائے کی کوشک سے نکل کر اس کے استقبال کے لیے اس مقام تک آ گیا جہاں اس کی کشتی ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا کہ باربروسا نے کن الفاظ میں سلطان سے شاہ فران کے یہاں اپنے مہمان بن کر رہنے کی داستان بیان کی۔

اس کے بعد باربروسا نے پھر سمندر میں پیش قدمی نہیں کی۔ دو سال بعد اس کا انتقال ہو گیا سلیمان نے اس کے لیے ایسا ہی مقبرہ بنایا جیسی اس کو تمنا تھی۔ چھوٹا سادہ سا مقبرہ سنگ اسود کا بنا ہوا باسفورس کے پانی کے اس قدر قریب کہ گزرتے ہوئے جہازوں کو آسانی سے نظر آ سکے۔ کئی پشتوں تک یہ دستور رہا کہ کوئی بحری بیڑا ایسا نہ تھا جو مرکز سرائے سے ہو کر گزرے اور خیر الدین باربروسا کی آرام گاہ کو سلامی نہ دیتے۔

اس مقبرے پر یہ کتبہ کندہ تھا "مات امیر البحر"۔

☆☆☆

دراگوت

مرنے سے پہلے باربروسا سمندر کے گردوں کی ایک نئی پود اپنے آقا سلطان سلیمان کے سپرد کر گیا۔ بحیرہ روم میں طوفان برپا کرتے اور ترکی پرچم کو سب سے اونچا کرنے کا جو کام اس نے شروع کیا تھا اسے اس کے ان وارثوں نے اتمام کو پہنچایا۔

اگرچہ کہ چالاک صفان بوڑھا ہوتا جا رہا تھا لیکن اب وہ کپتان پاشا تھا' اور اپنا زیادہ تر وقت ساحل پر اسلحہ خانہ میں گزارتا تھا۔ دریائے نیل کی وادی کا رہنے والا یہ فربہ اندام عرب صالح رئیس اس برادری سے غائب ہو گیا لیکن پیالی پاشا جس نے محل کے فوجی مکتب میں تعلیم پائی تھی بحری سردار مقرر ہوا۔ سلطان اسے پسند کرتا تھا اور اس پر اعتبار کرتا تھا۔

تارگوت جسے اہل ہسپانیہ دراگوت کے نام سے خوب اچھی طرح جانتے تھے باربروسا کی طرح شکست کھانے کے بعد پھر سے بچ نکلنے اور بظاہر ناممکن کارنامے دکھانے کا بڑا ماہر تھا۔ دراگوت کو ہمیشہ سے کشتی بانی کی تمنا تھی۔ پہلے وہ پہلوان تھا اور اس پیشے میں اس نے جو پیسہ کمایا اور بچایا اس سے ایک چھوٹی سی کشتی خرید لی۔ باربروسا کو بحیثیت ملاح اس کی ہوشیاری پسند آ گئی۔

دراگوت طبعاً فیاض اور نڈر تھا اور اسی لیے ان مواقع پر اسے زیادہ کامیابی ہوتی جب اس کے پاس صرف تھوڑے سے جہاز ہوتے۔ اور وہ تن تنہا اسکی کمانڈری

کرتا۔ طبیعتاً وہ ضدی تھا۔ آسانی سے احکام کی تکمیل نہ کرتا تھا اور باربروسا نے کبھی اسے بہت زیادہ کشتیوں کا سردار نہیں بنایا تھا۔ دراگوت کو ایک مشہور امیر البحر دوریا کے بھتیجے جووانیتو دوریا نے سارڈینیا کے ساحل سے گرفتار کیا تھا جہاں وہ مال غنیمت کے ساتھ افسروں میں تقسیم کر رہا تھا۔

دراگوت کو ایک اطالوی کشتی کھینے کے لیے زنجیر سے جکڑ دیا گیا۔ اس حالت میں اسے مالٹا کے ایک نائٹ دے لاویلت ن دیکھ کے پہچان لیا۔ یہ نائٹ اس سے پہلے گرفتار ہو کر اسی طرح مسلمانوں کی ایک کشتی میں زنجیر سے بندھا ہوا پتوار چلایا کرتا تھا۔ اس نائٹ نے بے اختیار اس سے کہا ''سینور دراگوت اسانزا دے گویرا'' (جناب دراگوت جنگ میں یہ کچھ ہوتا ہے)۔

دراگوت کو بھی وہ زمانہ یاد تھا جب دے لاویلت اسی طرح زنجیر بند قیدی تھا اس نے بڑے ہشاش بشاش لہجے میں کہا ''ای مدانتھا دے فورتونا'' (کبھی ایک قسمت کبھی دوسرے کی قسمت)۔

باربروسا نے اس وقت تک چین سے سانس نہیں لی جب تک اس نے اپنے بیباک نائٹ اور سردار کو تاوان ادا کر کے دوریا کے پنجے سے چھڑا نہیں لیا۔ اس مقصد کے لیے اسے تین ہزار اشرفیوں کی خطیر رقم ادا کرنی پڑی' اس سودے پر دوریا کو بعد میں بہت پچھتانا پڑا۔

کیونکہ اب مرحوم ترکی امیر البحر کی روح کی طرح دراگوت وسط مینڈی ٹرے نین پر منڈلاتا پھرتا تھا۔ قیدی کی حیثیت سے اس نے یورپی کاروبار کا طریقہ سیکھ

لیا تھا۔ اور اب وہ یورپ کی تجارت سے کافی حصہ وصول کرلیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مالٹا کی طرف جانے والے ایک خزانے کے جہاز کو اس نے پکڑ لیا جو پر ستر ہزار اشرفیاں لدی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ اس نے سسلی پر چڑھائی کر دی اور جزیرے بھر پر چھا گیا۔ اور وہاں کا امیر السلطنت دیکھتا رہ گیا۔ دراگوت کی ناکامیاں بھی آخر اسے فائدہ ہی پہنچا کر جاتی تھیں۔

وہ جنیوا کے قریب اپنی کشتیاں لیے گھوم رہا تھا کہ افریقہ میں اس کے محبوب قلعے مہدیہ پر گارسیا دے تولیدو نے قبضہ کرلیا جو سسلی کے اس امیر السلطنت کا بیٹا تھا جس کی عملداری میں اس نے سسلی پر یورش کی تھی۔ سلیمان کو یہ بہت ناگوار گزرا کیونکہ اس زمانے میں وہ یورپی طاقتوں سے آخری بار صلح کر چکا تھا۔ اس کے جواب میں چارلس نے لکھ بھیجا کہ یہ جنگ نہیں یہ تو محض بحری قزاقوں کا حملہ تھا۔ سلیمان نے غصہ کے عالم میں جواب دیا کہ اس کی نظر میں بحری قزاقوں اور چارلس کی سلطنت کے قزاقوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اور انعام کے طور پر اس نے دراگوت کو بیس جنگی کشتیاں سپاہیوں سے لیس انعام میں عطا کیں

اس کی بحری قوت تو بڑھ گئی تھی لیکن دراگوت اپنی حماقت سے اندریا دوریا جیسے طاقتور امیر البحر کے چنگل میں پھنس گیا۔ لیکن اس مرتبہ پھر اس کی بے احتیاطی اس کے کام آ گئی۔ وہ مہدیہ سے تو نکالا جا چکا تھا۔ اب اس نے یربہ کے زرخیز لیکن دلدلوں سے بھرے ہوئے جزیرے کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ جزیرہ عیش طلبوں کا بڑا پرانا مرکز تھا۔ یہاں اس نے ایک ایسے قلعے پر قبضہ کرلیا جسے دوریا کے اجداد میں سے کسی نے

پرانے زمانے میں تعمیر کیا تھا اور اس نے اپنا بیڑا یہاں کے اتھلے پانی کی جھیل میں لنگر انداز کر دیا۔ وہ اپنی کشتیوں کے تختوں پر روغن لگوا رہا تھا کہ اتنے میں زندہ سلامت دوریا چھوٹے سے طاقتور بحری بیڑے کے ساتھ نمودار ہوا اور اس تنگ سی آبنائے پر قابض ہو گیا جو اس تنگ سی جھیل کو سمندر سے ملاتی تھی۔

جنیوا کے اس امیر البحر کو اب اس کا یقین ہو گیا کہ بس دراگوت سمیت سارا بیڑا اس کے قبضے میں آ ہی چکا ہے۔ اس نے ایک جہاز کو یہ پیغام پہنچانے کے لیے کہ نیپلز بھیجا کہ دراگوت یرہ میں پھنس گیا ہے اب اس کے بچ کے نکلنے کی کوئی صورت نہیں"۔

جیسے دوریا نے اس سے قبل پری ویزا کے اس پر پس و پیش کیا تھا اس مرتبہ بھی اس نے آبنائے کو پار کر کے جھیل میں پہنچنے میں بہت دیر کر دی۔ ترکوں نے اس تنگ آبنائے کے دونوں جانب تیزی سے مورچہ بندی کر لی' اور چارلس کے بیڑے پر گولہ باری شروع کی جس سے کوئی اور نتیجہ تو نہ نکلا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ دوریا کی ہچکچاہٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔

بالآخر جب دوریا نے دیکھا کہ دہانے پر ترکوں کی جو توپیں نصب تھیں وہ غائب ہیں تو وہ جھیل میں داخل ہوا۔ وہ یہاں پہنچا تو دیکھا کہ دراگوت اپنے بیڑے سمیت غائب ہے۔ یہ ترک اس آبنائے سے ہو کر بھی نہیں گزرے تھے اور جھیل میں بھی ان کا پتہ نشان نہ تھا۔

بہت عرصہ کے بعد عیسائی اس معمے کو حل کر پائے انہوں نے اتنی دیر کر دی کہ اس

اثنا میں دوسری جانب نیچی زمین پر ترکوں نے ایک نہر کھود کر سمندر سے ربط پیدا کر لیا تھا اور یہاں سے وہ اپنی کشتیوں کو دلدلوں کے راستے نکال کر کھلے سمندر میں لے گئے تھے۔

اب یہ دراگوت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے فوراً ہی سسلی سے آتی ہوئی ایک کشتی کو پکڑنے کا موقع مل گیا۔ جو یہ خبر لے کر آ رہی تھی کہ دوریا کے لیے ایک اور کمک آ رہی ہے تا کہ وہ آسانی سے ان ترکوں کو گرفتار کر لے۔

ترک مورخ جب دراگوت کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اسلام کی شمشیر برہنہ تھا۔

سلیمان کے یہ بحری کپتان لاکھ عجیب و غریب سہی وہ باربروسا کی تجویز کی تکمیل کر رہے تھے۔ بحیرہ روم کے شمالی یعنی یورپی ساحل کی انہوں نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اور جنوب میں افریقہ کے ساحل کی تمام قلعہ بند بندرگاہوں کی وہ اسپین کے دستوں کو باہر نکال کیے دے رہے تھے۔ مہدیہ کے بعد بوخے یا پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ بڑے بڑے مشہور امیر البحر جیسے فران کا دوک دے بوربوں اور انگلستان کا ہنری آف بوفورٹ افریقہ کی جنگ کے لے بڑے ولولے کے ساتھ روانہ ہوئے اور بے نیل و مرام واپس آئے۔

ایک بڑی اہم تاریخی صورت حال وقوع میں آ رہی تھی۔ افریقہ پر اپنی عمل داری پھیلانے مین سپین کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا حالانکہ اٹلانٹک کے اس پار امریکہ میں ان کی فتوحات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بحیرہ کریسپین کے برعکس بحیرہ میڈی ٹرینین کبھی ہسپانوی سمندر نہ بننے پایا۔

اس کا انتظام سلیمان نے کر دیا تھا۔ وہ بوڑھا ہوتا جا رہا تھا اور ہر شب عشاء کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتا۔ اور یہ امید اس کے دل میں تقویت پکڑتی جاتی تھی کہ اسلامی افریقہ سے ہر ایک عیسائی دستہ اس کی زندگی میں ہی باہر نکال دیا جائے گا۔

اس زمانے میں اسپین میں چارلس کا بیٹا فلپ ثانی کے نام سے تخت نشین ہو چکا تھا وہ تولیدو کے شاہی قصر میں جس کی دیواریں تصویروں سے مزین تھیں کچھ اور ہی آس لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے مقدس سلطنت روما کی شہنشاہی کی عظمت و جبروت کے دامن میں پرورش پائی تھی۔ وہ خود جنگجو نہیں تھا۔ اور سلیمان میں اور اس میں صرف ایک بات مشترک تھی۔ وہ بھی اپنے امرا اور عمال سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ اور جو کچھ کرتا تھا اس کا انجام سوچ لیا کرتا تھا۔

جب ڈان فلپ شہزادہ تھا تو وہ پہلی مرتبہ اپنی شادی کی برات میں اندریا دوریا کی امیر البحر والی کشتی میں سوار ہوا۔ جس پر قالین چنے ہوئے تھے۔ پرچم لہرا رہے تھے۔ اور جس کے چاروں طرف ہسپانوی بجرے تھے (اس سفر میں یہ جنیوا کے ساحل کے ساتھ ہی ساتھ لگا رہا اور ترکی بیڑوں کی آماجگاہ سے بچتا ہوا چلا) اس وقت نوجوان فلپ کو بحری طاقت کی حقیقت اور شہنشاہی دربار کی شان و شوکت کا اندازہ ہوا۔ لیکن جب مقدس سلطنت روما کا شہنشاہ بننے کے لیے اس کے بجائے اس کے چچا آسٹریا کے ہاپس برگ فرڈی نینڈ کا انتخاب کیا تب فلپ دنیا بھر پر حکومت کرن کے خواب سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو صرف اسپین کا مالک پایا۔ لیکن اب

بھی اس کے دل میں یہی ولولہ تھا کہ اسپین سب ملکوں پر بھاری ہے۔ اب بھی وہ اپنے آپ کو اپنے باپ کا حقیقی جانشین سمجھتا تھا۔

فلپ کیتھولک عقیدے کا بڑا پکا پیرو کار تھا۔ اور اس نے طے کر لیا کہ اپنی سلطنت میں رہے سہے مسلمان عربوں کا قطعی خاتمہ کر دے۔ اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ عہد کیا کہ شمالی افریقہ کے ساحل پر پھر سے اہل ہسپانیہ کا تسلط قائم کرے۔

اس ضدی لیکن با اصول بادشاہ کا حریف اب اس ارادے سے کوئی تھا تو دراگوت تھا جو نہ کسی طرح گرفتار ہوتا تھا اور نہ اسے شکست دی جا سکتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ باربروسا دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔

دراگوت کی کامیابی قسمت کی بات تھی۔ ایک مرتبہ وہ اور صفان دونوں پہلے مالٹا میں لنگر انداز ہوئے۔ لیکن یہ تصفیہ کیا کہ اس قلعے کا محاصرہ بیکار ہے تو یہاں سے پلٹ کر وہ طرابلس پہنچے۔ اگر وہ سلیمان کو مالٹا کی فتح کے تحائف نہیں پیش کر سکے تو نہ سہی لیکن وہ مالٹا کے نائٹوں کے قبضے سے طرابلس ضرور چھین لیں گے۔ اس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ صفان نے اسلام کے ان جانی دشمنوں کے ساتھ اتنی رعایت نہیں کی جتنی سلیمان نے رہوڈس میں کی تھی۔ انہیں پا بہ زنجیر کر کے قیدیوں کی طرح سرائے میں گشت کرایا گیا

کئی سال بعد جب فلپ نے افریقہ پر پہلی یورش کی تو اس کے بیڑے نے طرابلس ہی کا رخ کیا۔ حسب معمول یہ بیڑا بھی بہت طاقتور تھا۔ اس پر یورپ کے بہت سے ملکوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ اس کے سرداروں میں میدینا چیلی کا ڈیوک

اور جوونی دوریا (جو اندریا دوریا کے بھائی کا پوتا تھا) شامل تھے۔ لیکن چونکہ ان کشتیوں پر زیادہ ہی بری سپاہی سوار تھے اس کا برا حشر ہوا پہلے تو طوفان اور طاعون نے بہت پریشان کیا۔ بالآخر جب وہ طرابلس کے قریب پہنچا تو اس کے سرداروں نے طے کیا کہ اس سنگین قلعہ کے فتح کرنے کی طاقت اب بیڑے میں نہیں جو بیماری اور طوفان کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے۔

اس کی بجائے انہوں نے طے کیا کہ دراگوت کے محبوب جزیرے یربہ پر قبضہ کر لیں جو یہاں سے اسی ساحل پر محض چند روز کی مسافت پر تھا۔ دراگوت کی غیر موجودگی میں بڑی آسانی سے انہوں نے یربہ پر قبضہ کر لیا۔ اس علاقے میں افیونی کسان آبادی نے زرہ پوش ہسپانویوں سے لڑنے بھڑنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی۔

لیکن اس جزیرے کی عیش طلبی کا اثر اسپین کے صلیبی سپاہیوں پر بھی بہت جلد ہونے لگا۔ وہ یہیں ٹھہرے رہے اور کھجور اور خربوزوں سے شکم سیر ہوتے رہے۔ جب چونک پڑے تو ایک نیا قلعہ بنانے لگتے تا کہ اس موقعہ کی بندرگاہ کی حفاظت کر سکیں۔ اس قلعے کو تعمیر کرنے کے لیے وہ ٹھہرے رہے۔

لیکن وہ بہت دیر تک ٹھہرے رہے۔ سرما کے طوفان شروع ہوئے اور ان طوفانوں کے زمانے میں یربہ کے ساکن جھیل اچھی بندرگارہ بن جاتی تھی۔ اب دراگوت کے بادبان لوٹتے ہوئے نظر آئے۔ ایک دن کے اندر اندر اس جھیل کا انداز بدل گیا۔ اس کا تنگ اتھلا سا دہانہ ایک پنجرہ بن گیا میدنیا چیلی اور نوجوان

دوریا اپنی فوجوں کو جہازوں پر سوار کرانے کی کوشش کی خوف کے مارے جھیل بھر میں کشتیاں اور جنگی جہاز ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ساحل میں دھنسنے لگے۔

اس افراتفری کے عالم میں دراگوت اور پیالی پاشا اپنے بیڑے لیے آن پہنچے یربہ کے اتھلے پانی کا انہیں عرصہ سے تجربہ تھا۔ اور ان کے چست سپاہی مہینوں سے سمندر میں جہاز رانی کر رہے تھے لیکن ہسپانوی فوج آرام طلبی کے عالم میں ساحل پر ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔

فلپ کے دونوں امیر البحر تو بچ نکلے۔ لیکن باقی ماندہ جنگی بیڑا وہیں پھنس گیا اور اس نے ترکوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ چھپن جہاز اور چودہ ہزار جنگی قیدی دراگوت کے ہاتھ آئے۔ اسے مفت میں وہ نیا مضبوط قلعہ بھی مل گیا جسے ہسپانویوں نے بندرگاہ کی حفاظت کے لیے تعمیر کیا تھا۔

اسے دراگوت کی خوش قسمتی پر محمول کیا گیا۔ جنیوا میں جب اس شکست کی خبر اندریا دوریا کو پہنچی تو اس نے درخواست کی کہ اسے گرجا لے جایا جائے۔ یہاں آخری بار عبادت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

جب فلپ کے بیڑے کی اس آخری ناکامی کی خبر آئی ہے تو اوگیر بوزیک قسطنطنیہ ہی میں تھا۔

☆☆☆

اہل یورپ جبل الطارق کے اس پار کے سارے علاقے میں پسپا ہو چکے تو ان کے قبضے میں بحیرہ روم کا صرف ایک بڑا بحری مرکز رہ گیا۔ یہ مالٹا کا چھوٹا سا جزیرہ تھا

جس کی قلعہ بندی نائٹوں نے کی تھی۔ عیسائی مذہب سلیمان کے مقابلے میں پسپا ہونے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ یہاں دراگوت اور دے لادیت کی آخری لڑائی ہوئی۔

جب بحیرہ روم پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا تو اسپین اور پرتگال کے بحری کپتانوں کو ایشیا پہنچنے کے لیے کیپ آف گڈ ہوپ کا چکر لگانا پڑا افریقہ میں ان تاجروں نے جنوب کا رخ کیا اور سونے کی تلاش اور ہاتھی دانت اور حبشی غلاموں کی تجارت شروع کی۔

سلیمان کو ان جنگی قیدیوں سے ان دور دراز بحری سیاحتوں کی اطلاع ملتی جو ہندوستان کے ساحل کے قریب چکر لگا کر آتے۔ پیری رئیس نے بیرونی دنیا کے نقشے بنائے تھے اور یہ دکھایا تھا کہ افریقہ کا چکر لگا کے پرتگالی مشرقی بعید کی ساری دولت کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ سلیمان مصر کا مالک تھا۔ اور اس تجارت میں اس کا بھی حصہ تھا اس کے علاوہ ہندوستان پر اسلامی حکومت تھی اور وہ یہاں کے ساحلوں کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

اس کا یہ ارادہ عجیب و غریب تھا..... یہ کہ وہ ان دور دراز سمندروں میں جہاں اس کے قبضے میں کوئی کشتیاں نہ تھیں پرتگال کے بحری بیڑے کو شکست دے جائے گا۔ لیکن اس کے ملاحوں نے پھر اعجاز کر دکھایا۔ اور سلیمان نے جو ارادہ کیا تھا اس پر عمل ہونے لگا۔ خاکنائے سویز پر خشکی کے راستے کشتیوں کے لیے شہتیر اور توپیں اس پار بحیرہ قلزم میں منتقل کی گئیں۔ اور یہاں کشتیاں بننے لگیں۔ اس طرح

ستر کشتیاں تیار ہوئیں جن کی امیر البحری ایک بوڑھے لیکن ہمہ صفت موصوف خواجہ سر اسلیمان پاشا کے سپرد کی گئی۔

اس غیر معمولی امیر البحر نے اپنے اس بے قاعدہ بیڑے کو لے کر بحیرہ قلزم کے جنوب کا رخ کیا۔ عدن کو سلطان کی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اور حبش کے پہاڑوں میں مساوا پر قبضہ کرلیا۔ یمن کے ساحل کے ساتھ ساتھ وہ بحر ہند کی گرم ہواؤں میں سے کسی نہ کسی طرح گزرتا ہوا دیو کی بندرگاہ تک جا پہنچا جو ہندوستان میں ایک ندی کے دھانے پر واقع ہے۔ یہاں اسنے متکبر پرتگالیوں کے بحری راستے نہیں بلکہ زمین سے حملہ کیا۔ اس میں اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی اس لیے وہ اپنے بیڑے سمیت واپس ہوا۔ واپسی میں حج بیت اللہ کیا اور بجائے ہندوستان کے ساحل پر فتح کا ظفر نامہ سنانے کے سلیمان سے اپنے حج و زیارت کا احوال بیان کیا۔ اپر سلیمان نے حکم دیا کہ بحیرہ قلزم میں کشتیاں بنائی جائیں تا کہ زائروں کو جدہ پہنچ کر حج کا فریضہ ادا کرنے میں سہولت ہو۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد تنومند اور زندہ دل ایاز پاشا نے طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پائی جب اکی اولاد کا شمار کیا گیا تو ایک سو بیس نکلی۔ سلیمان نے وزارت کے عہدے پر اس بوڑھے امیر البحر سلیمان پاشا کو فائز کیا جو بحر ہند کا چکر لگا آیا تھا۔

☆☆☆

صلح ہوگئی

اس زمانے میں سلیمان اپنے وزیروں سے صرف اتنی سی بات کا خواہاں تھا کہ وہ وفادار رہیں۔ اب بھی اس کا یہی ارادہ تھا کہ تن تنہا نظم ونسق کا بار سنبھالے' اب وہ مدد کے لیے پرانے سادہ مزاج ترکوں یا فوجی مکتب کے پڑھے ہوئے پرانے ساتھیوں کو زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا۔ تین شخص جو اب اس کے معتبر ساتھی اور کام کاج کے شریک بنے وہ تینوں کے تینوں ابراہیم سے بہت مختلف تھے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بڑی خداداد اہلیت رکھتا تھا۔

صفان آغا..... جسے عرف عام میں معمار کہتے تھے..... بھرتی کیے ہوئے لڑکوں میں سے تھا۔ یہ بلگراڈ سے وی آنا کی جانب کوچ کی لڑائیوں میں شریک تھا اور یہاں اس نے انجینئرنگ کا معجزہ کر دکھایا۔ اس میں بڑی عجیب صلاحیت اس بات کی تھی کہ جس طرح کی تعمیر کی ضرورت پیش آجاتی وہ اسے مکمل کر دیتا۔ اس کے علاوہ اکواس بات کا بڑا کاص ملکہ تھا..... اور سلیمان کے زمانے میں ترکوں کی خصوصیت تھی۔ کہ مشکل سے مشکل کام کو تیزی سے کرگزرتا یہاں تک کہ جو کام بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا اسے بی معمار کچھ عرصہ میں کر کے دکھا دیتا تھا۔ اس نے سلیمان کی خوب گاہ سے متصل سنگ اسود کے حمام کی تعمیر مکمل کر لی اور فوراہی ریگستان کے آر پار ایک نہر بنانے لگے جس سے مکہ مکرمہ تک پانی پہنچایا جا سکے۔

رستم..... البانوی نسل سے تھا اور نظم ونسق حکومت میں ترقی کرتے کرتے بلند

ترین منصب پر پہنچادیا تھا۔ اسے حسن انتظام کا خاص ملکہ تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے کبھی ہنسی نہ آتی تھی۔ اور اس کے منہ سے اگر کبھی بات نکلتی تو محض حکم دینے کے لیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کو اس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کیونکہ اس نے اپنی چہیتی لڑکی مہر ماہ کی شادی اس سے کردی تھی۔

ان میں سے تیسرا ابن سعود تھا۔ یہ نسلاً کرد اور پیدائشی مسلمان تھا۔ شریعت کا عالم تھا اور اچھا شاعر تھا ایک بچے کا مرثیہ اس نے خوب لکھا ہے۔ ابن سعود سلیمان کا ایک ایسا مشیر قانون تھا جو ذات وصفات کو قانون سے بالاتر سمجھتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے ابن سعود کو مفتی اعظم مقرر کیا۔

اپنی عمر کے بقیہ بیس سال کے عرصے میں سلیمان ان تین میں سے دو پر بڑا اعتماد کرتا رہا اور ان میں سے ایک نے سلیمان کی موت کے بعد بھی اس کی تجاویز کو عمل میں لانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن تینوں میں سے کسی کو اس نے وہ غیر معمولی حقوق اور مراعات نہیں عطا کیے۔ جو اس نے ابراہیم کو بخشے تھے۔ اور جو ابراہیم کے زوال کا باعث ہوئے۔ گویا ان لوگوں سے اس کا کہنا یہ تھا ''ذمہ داریوں میں تم میرے شریک ہو۔ لیکن انعام کسی کو نہیں ملے گا'' لیکن یہ عثمانی سلطان ہمیشہ کی طرح اب بھی کم سخن اور خاموش تھا۔ اسے جو کچھ کہنا ہوتا وہ اپنے عمل کے ذریعے مثلاً کسی مقدمے کے تصفیے کے وقت واضح کردیتا۔ وہ اپنی حسین مہر ماہ کو بہت چاہتا تھا۔ لیکن اس کی لڑکی کو اس سے نفرت ہوگئی۔ اور اس نے بہت عرصہ بعد جب اس کے مرنے کی خبر سنی تو بڑی سنسان خاموشی کے عالم میں۔

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پچاس سال کی عمر میں بھی سلیمان اہل یورپ کے لیے ایک معمہ تھا۔ وہ اس کی شبہ سے خوب واقف تھے کیونکہ مشہور مصور دیورر نے بھی اس کا شبیہ کا خاکہ بنایا تھا۔ اس کی شہرت تمام درباروں میں پھیل چکی تھی۔ اپنی مشہور تصویر ''ایکوہوہو'' میں مشہور رنت سیانو نے اس کی شبیہ کو حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کے زمرے میں شامل کیا تھا۔ ایک اور مصور پاولویر نے زے نے اس کی شبیہ کو چارلس پنجم اور فرانس اول کی تصویروں کے ساتھ اپنے ایک شاہکار ''کانا میں شادی'' میں شامل کیا تھا۔ پاؤلو جودو جو ایک بوڑھا مورخ تھا اور جس نے اپنی تصنیف ''تفسیر واحوال ترکاں میں ترک خطرے کا بار بار ذکر کیا تھا۔ اپنی کتاب کا ایک نسخہ سلیمان کی خدمت میں تحفتاً بھیجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان نے اسے تحفتاً اپنی ایک چھوٹی سی تصویر انعام میں بھیجی تھی۔

ایک اطالوی تذکرہ نگار ناداجبر نے اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ''وہ طویل قامت اور اکہرے بدن کا تھا اور اس کے بشرے سے حلم وعظمت کا اظہار ہوتا تھا کہا جاتا ہے کہ ابراہیم کے زمانے میں وہ کبھی کبھی شراب پی لیتا تھا' لیکن اب اس نے شراب بالکل ترک کر دی تھی۔ قریب قریب روز وہ اپنی کشتی پر سوار ہو کے ایشیا کے ساحل پر جاتا ہے جہاں یا تو وہ اپنے باغوں کی سیر کرتا ہے یا شکار کھیلتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ بڑا منصف مزاج ہے۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

1544-47ء کے عرصے میں سلیمان کو یورپ کی دولتوں سے اس طرح صلح

کرنے میں کامیابی ہوگئی جس کے لیے وہ بارہ سال سے اپنی پوری قوت ارادی کے ساتھ کوشش کر رہا تھا۔ ممکن ہے 1543ء میں باربروسا سے بحیرہ روم پر جو آخری حملہ کیا تھا اس کی وجہ سے اس صلح کا راستہ خود بخود کھل گیا ہو۔ شاید سلیمان نے ہاپس برگوں پر اچھی طرح واضح کر دیا ہو کہ اس کا ارادہ صرف ہنگری کے میدانوں پر قابض رہنے کا ہے اور اس کے پار کے علاقوں کو فتح کرنے کی اسے کوئی خواہش نہیں۔ باعث چاہے کچھ ہو اس فرد واحد کی کوشش سے دنیا کو ترکی امن میسر ہو سکا ایک تان ایک متصدی۔

جب آسٹریا سے نئے قاصد آئے تو اپنے ساتھ ایک نیا تحفہ لائے۔ یہ ایک بڑی سی گھڑی تھی جس پر سورج چاند تارے سب وقت کی رفتار کے ساتھ حرکت کرتے تھے۔ یہ تحفہ سلیمان کو بہت پسند آیا یہ قاصد اپنے ساتھ تشریح کے لیے جو کتابچہ لائے تھے اسے پڑھنے کی سلیمان کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس نے رصدگاہ میں بہت وقت صرف کیا تھا۔ اور اصطرلابوں اور دوربینوں سے خود ستاروں کی طلوع و غروب کا مقابلہ کیا تھا۔ لیکن جب سفیروں نے پھر وہ پرانی تجویز دہرائی کہ سلطان ایک لاکھ اشرفیوں کے بدلے بودا کا شہر آسٹریوں کے حوالے کر دی تو اپنے وزیر کی زبانی سلطان نے انہیں خوب کھری کھری سنائیں ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کا دماغ چل گیا ہے؟ جو شہر سلطان نے دو بار بزور شمشیر فتح کیا ہے کیا وہ اسے چند سکوں کے عوض فروخت کر دے گا؟''

ان میں سے ایک قاصد سگمنڈ بیرن خان ہربرشتائن تھا جس نے ماسکو کے دربار

میں تجربہ حاصل کیا تھا وہ بہت غور وفکر کے عالم میں ترکوں کی سرحد کے پار گیا۔ اس نے لکھا ہے ''میں نے ایک بڑے جلیل القدر بادشاہ کی عظمت وشان وشوکت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے''۔

1547ء کی صلح کے دو بڑے اہم نتیجے نکلے اگر چہ کہ یہ صلح ہاپس برگوں ہی سے کی گئی تھی لیکن فرانس کا بادشاہ پاپائے روم اور وینس کی سینوری سب اس صلح نامے میں شامل تھے یہاں عثمانی سلطان نے یہ امر واضح کر دیا کہ اس کا مقام یورپ کے بادشاہوں سے الگ تھلگ تھا۔ اور ان سب سے صلح برقرار رکھنے کے لیے اسے اپنی تلوار کو آب بر پورا پورا اعتماد تھا۔

لیکن اس نے ایک اور بات بھی واضح کر دی کہ اس کے بحری کپتان اس معاہدے کے پابند نہیں رہیں گے۔ (وہ پھر ایشیا کا سفر کرنا چاہتا تھا اور باربروسا نے اسے سکھا دیا تھا کہ بحیرہ روم میں اس کے بیڑے تولدو سے لیکر وی آنا تک کے تمام درباروں کو مخمصے میں ڈالے رکھ سکتے ہیں۔ اور ورا گوت نے اس کی کوشش کر دکھائی کہ وہ اسی طرح مخمصے میں الجھے رہیں''۔

سلیمان نے ایک اور بات پر اصرار کیا۔ فرڈی ننینڈ شمالی ہنگری کے پہاڑوں پر قبضہ قائم رکھنے کے معاوضے میں تیس ہزار سالہ بطور خراج ادا کرتا رہے۔ آسٹروی اس کو اعزازی وظیفہ کہتے تھے۔ لیکن سلیمان یہ سمجھتا تھا کہ وہ ہاپس برگوں سے باج اور خراج وصول کر رہا ہے۔

اس رقم کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ جس طرح وہ اہل وینس سے برائے نام

خراج وصول کرتا تھا' یہ بھی ایک قابل فخر بات تھی کہ آسٹریا بھی اسے خراج دے۔

اور پھر اپنی عظمت و دبدبہ کے عین معراج کے زمانے میں اس پر ایک طرح کا خوف طاری ہوا۔

☆☆☆

حرم سرا کی پہلی سازش

یہ سازش اس کی اپنی حرم سرا میں آہستہ آہستہ شروع ہوئی کہ پہل پہل تو وہ اس سے واقف بھی نہ ہو سکا۔ مگر پھر جب آگ لگی تو اس کا آغاز ہو گیا۔

روکسے لانا!..... باقاعدہ طور پر اس کی بیوی بن چکی تھی۔ اور ابراہیم کے زوال کی امید لگائے بیٹھی تھی یہ تیز و طرار یونانی وزیر تیسرا شخص تھا جو حرم میں اس کے اقتدار کل کے راستے میں حائل تھا۔ وہ ابراہیم کی خود پرستی سے خوب واقف تھی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے منظور نظر عورت خرم نے بھی سلطان کو ابراہیم کے خلاف متاثر کیا ہو۔ لیکن اس کو ضرورت ہی نہ تھی۔

ابراہیم کی موت کے بعد اپنے وزیروں اور مشیروں پر سلطان کی بے اعتنائی بڑھتی گئی۔ اور یہ بے اعتباری خرم کے بڑے کام آئی۔ اور کوئی عورت ایسی نہ تھی جو اس کی رقیب بنتی۔ لیکن سلطان اپنے فرائض سلطنت میں اتنا منہمک رہتا کہ اس کے لیے بہت کم وقت نکال سکتا۔ وہ خود پرانی حرم سرا میں بند رہتی اور سلطان نکڑ کے مرکز والی سرا میں کام کرتا' اور اکثر وہیں سو رہتا۔ جب روکسے لانا نے اسے اس کے سرا میں رہنے کی منت کی تا کہ وہ اس کے قریب رہے تو سلطان نے انکار کر دیا۔ سلطان محمد فاتح کا فرمان تھا کہ کوئی عورت اس سرا میں رات نہ گزارے جہاں دیوان خاص سلطنت کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتا تھا۔

قسطنطنیہ میں بڑے زور کی آگ لگی اور اس کی وجہ سے روکسے لانا عارضی طور پر

مرکز والی سرا میں منتقل ہو گئی۔ یہ آگ ساحل کے کنارے کنارے پھیلتی ہوئی پرانے محلات تک پہنچ گئی۔ اس میں حرم سرا کا اندرونی حصہ اور عورتوں کے ملبوسات اور زیورات کے صندوق جل گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کی منظور نظر بیوی کو فوراً وہاں سے نکال لیا گیا اور سلطان نے اپنے حجروں کے پیچھے نئی سرا کے تیسرے صحن میں اس کے رہنے کے لیے کمرے عنایت فرمائے۔

سلطان محمد فاتح کے زمانے میں یہ سرا محض کام کاج کے لیے مخصوص تھی۔ سلیمان خود یہیں کھانا کھاتا یہیں آرام کرتا یہیں تنگ حجرے میں اپنے نقیب خاص کے حجرے کے قریب اپنے بے تکلف مہمانوں سے ملتا۔ نقیب خاص کا نام رستم تھا۔ دوسری طرف فوجی مکتب کا اسپتال تھا۔

سلطان کو اس کی توقع نہ تھی کہ روکسے لانا اپنے ساتھ اتنا بڑا کارخانہ لے کر آئے گی اس کے ساتھ کوی سو کنیزیں مغلانیاں حبشی خواجہ سرا اور قاصد تھے۔ روکسے لانا کا کہنا تھا کہ اس خدم و حشم کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ سلیمان نے قافلے کو بھی سرا کے اندرونی صحن کے اطراف کے حجروں میں ٹھہرا دیا۔

اس کا یہ حرم یہاں ٹھہر رہا۔ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ پرانے محل کی مرمت میں دیر ہی ہوتی گئی۔ روکسے لانا سوچتی تھی کہ پرانا محل بنے ہی نہیں تو اچھا ہے۔ گل بہار تو مر چکی تھی اب اس کے سوا اس پرانے محل میں رہنے والی کون تھی؟ چند وظیفہ خوار بوڑھیاں جو اپنے عزیزوں کے پاس پناہ گزیں تھی وہیں خوش تھیں۔

اس طرح روکسے لانا نظم و نسق حکومت والی سرا میں سلطان کی واحد بیوی کی

حیثیت سے رہنے لگی۔ اس طرح اس نے سلطان محمد فاتح کا بنایا ہوا قانون توڑ دیا۔ چونکہ حرم کے پرانے رسم و رواج پر اب بھی پہلے کی طرح عمل ہوتا تھا۔ اس لیے جس حصہ میں وہ اور اس کے خدام تھے اس میں کسی اور باہر والے کا گزر نہ ہو سکتا تھا۔ اس حصے میں روکسے لانا اسی طرح حکومت کرتی تھی کہ جیسے سلطان والدہ پرانے محل سرا میں حکومت کرتی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ بظاہر حرم کے سلطان والدہ بننے کے کوئی آثار نہ تھے۔

اس کے بیچ در بیچ کمروں اور سلطان کے دونوں چھوٹے سے حجروں کے درمیان دیوار توڑ کر ایک پوشیدہ دروازہ بنایا گیا۔ اندر یا باہر سرائے کا کوئی حصہ بہت زیادہ آراستہ یا پیراستہ نہ تھا لیکن اب خدام اس کے کمرے کو جو باغ کے کنارے واقع تھا جس میں جالیاں لگی تھیں اور چھت پر ایک خوش نما گنبد تھا۔ اب اندرونِ حرم کی تخت گاہ کہنے لگے تھے۔ سلیمان یہاں آ کے اپنی فرصت کا زیادہ تر وقت گزارتا تھا۔

نہ اس نے یہ حکم دیا اور نہ شاید وہ یہ حکم دے پاتا کہ اس کی بیوی کو زبردست اس کی نئی سرا سے نکال باہر کیا جائے۔ وہ جاتی تو کہاں جاتی؟ اب اس کے پاس ایک طرح گھس کر یہ روسی عورت جب چاہتی نقاب پہن کر اس گلیاری سے ہو کر جو راہ زریں کہلاتا تھا گزرتی اس کے دوسرے سرے پر وزراء کا دیوان تھا۔ کس کی مجال تھی کہ بادشاہ کی منظورِ نظر بیوی کو دیوان کی طرف آنے سے روکتا ''راہ زریں'' کے پار ایک اور گلیاری تھی جس سے اس چھوٹے سے برج کے زینے کو راستہ جاتا تھا جہاں پوشیدہ کھڑکی کے پیچھے بیٹھ کے سلیمان اکثر دیوان کی ان پیشیوں اور بحثوں کو سنا کرتا

تھا جو کبھی ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ روکسے لانا کی اتنی مجال تو نہیں تھی کہ اس کھڑکی تک پہنچ جائے مگر ت خواجہ سرا وغیرہ جو اس کھڑکی تک پہنچ سکتے تھے اسے بات بات کی خبر دیتے۔

بے چینی اور اضطراب کے عالم میں وہ اپنے جاسوسوں کے ایک ایک لفظ کو تولتی اس کی بے چینی اور اضطراب کا باعث آل عثمان کا یہ دستور تھا کہ بادشاہ کے بھائیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گل باہر تو مر چکی تھی لیکن اس چرکس خاتون کا بیٹا مصطفےٰ وی عہد سلطنت تھا اسکا امکان تھا کہ مصطفےٰ پر پرانے قانون پر عمل کرے۔ اپنے سوتیلے بھائیوں خرم کے اپنے بیٹوں سلیم بایزید اور جہانگیر کو قتل کرا دے۔ بڑی جرات اور اضطراب کے عالم میں یہ روسی عورت بار بار سلطان سلیمان سے اس خطرے کا ذکر کرتی۔ اور بار بار وہ اطمینان سے اسے یقین دلاتا کہ وہ بار بار یہی دہراتا کہ مصطفےٰ ولی عہد ہے۔ اب برادر کشی کی یہ پرانی رسم ختم ہو چکی ہے۔ مصطفےٰ بہت اچھی طبیعت کا لڑکا ہے۔ اس کے مزاج میں شک نہیں ہے وہ ہرگز اپنے چھوٹے بھائیوں کی جان کا دشمن نہیں بنے گا۔ سلطان اسے اس بات کا یقین دلاتا۔

لیکن روکسے لانا کی نظر کسان لڑکیوں کی طرح صاف تھی۔ اور حقیقت کو دیکھ اور پہچان سکتی تھی۔ یہ کسان لڑکی اس انوکھے دربار میں قید تھی۔ چونکہ وہ ہمت والی تھی اس لیے وہ جب بحث کرتی تو اپنا ذکر نہ کرتی حالانہ سلیمان کے مرنے کے بعد مصطفےٰ اگر بادشاہ بنے تو وہ بیچاری سے کس بیوہ ہو کے باقی دن گزارے گی۔ لیکن شدت جذبات میں وہ سلطان سے یہ کہہ کر فریاد کرتی ''میری جان کے مالک آپ کے

وعدے سے میرے دل کو اطمینان ہے۔ مصطفےٰ کی محنت اور عنایت میں فرق نہیں آئے گا۔ مجھے اوروں سے ڈر لگتا ہے۔ اس کا وزیر کیا سوچے گا؟ تمہارے خواجہ سرا وزیر جیسا بوڑھا بندر بھلا بیچارے جہانگیر پر ترس کھائے گا؟ رصدگاہ کے عمال بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ اس وقت نئی چیریوں کے آغا کے دل میں کیا کیا منصوبے پیدا ہوں گے اور نئی چیر برادری ہمارے بچوں سے کیا سلوک کرے گی۔ ابھی سے نئی چیری وفادار کتوں کی طرح مصطفےٰ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں نوکروں کے دل کا حال آپ کو معلوم ہے؟''

سلیمان اس کے خوف کا ازالہ کر سکتا تھا۔ اس کے مرنے کے لمحے بھر کیا پیش آئے گا اس کا کچھ انتظام کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

صرف روکسے لانا کی محبت ہی اسے نہیں ستا رہی تھی۔ وہ اپنے بچوں میں جہانگیر کو بہت چاہتا تھا۔ جو مفلوج تھا اور اپنی لڑکی مہر ماہ کو بہت چاہتا تھا جو بہت خوش شکل بچی تھی۔ روکسے لانا اسکی اس چاہت سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ اور اگر مہر ماہ کے شوہر رستم کو اور زیادہ اختیارات دے دیے جائیں۔ رستم بڑا قومی ہمت اور منصف مزاج تھا وہ سارے خاندان کی حفاظت کر سکے گا اس کو وزیر بنا دینا چاہیے۔

یہ بات سلیمان کی سمجھ میں آتی تھی۔ اسے اپنی موت کا تو کوئی ڈر نہ تھا..... اگر چہ کہ روکسے لانا نے ہمت کر کے اس امکان کا بھی ذکر کیا تھا..... لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس طرح اس کے بچوں کی جان بچ جائے گی۔ مصطفےٰ اس وقت زرخیز مینگیشیا کا گورنر تھا۔ اس صوبے میں ولی عہدوں کی تربیت ہوتی تھی۔ اسے دارالسلطنت

سے دور مشرق میں ایک صوبے کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اور رستم کو اور زیادہ مشرق میں دیار بکر کا بیلر بے بنا کر بھیج دیا گیا۔

رستم بھی اپنے خسر سلطان سلیمان کی طرح خاموش اور ان تھک محنت کرنے والا تھا۔ مالیات کے کاروبار میں وہ ابراہیم سے بھی زیادہ فریس تھا۔ وہ البانوی نژاد تھا۔ اس کی دیانت پر کسی کو شک نہ تھا لیکن کسی کو پتا نہ تھا کہ وہ اتنا کنجوس بن جائے گا۔ اور روکسے لانا اپنا کام نکالنے کے لیے اسے کس طرح استعمال کرے گی۔

سلطان سلیمان کا خواجہ سرا وزیر نا اہل تھا۔ اور دیوان میں فرزین شطرنج کی طرح بیٹھے رہنے کے علاوہ اور کسی کام کا نہ تھا۔ اس کی نا اہلی کی وجہ سے روکسے لانا کو موقع مل گیا۔ سلیمان نے اسے وظیفہ پر الگ کر دیا اور اس کی جگہ رستم کو وزیر مقرر کیا۔ اس طرح اس نے سلطان فاتح کے ایک اور قانون کی خلاف ورزی کی۔ کہ اس عہدے پر صرف قابلیت کی بنیاد پر تقرر ہونا چاہیے۔ اور سلطان کے کسی عزیز کو اسکی قربت کا کوئی ممتاز منصب نہ ملنا چاہیے۔

شہزادہ مصطفےٰ کو سلطان سلیمان کے حکم کے بغیر قتل نہ کیا جا سکتا تھا۔ اور سلیمان اپنے بیٹے کے قتل کا خواب بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ایک معمولی سے واقعے سے روکسے لانا کو موقع مل گیا۔ دور دراز سرحد پر مصطفےٰ اپنے سپاہیوں میں ہر دل عزیز ہوتا جا رہا تھا۔ روکسے لانا کے جاسوسوں نے اس کا تو ثبوت فراہم کر دیا لیکن وہ اس کا کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکتے تھے کہ مصطفےٰ اپنے باپ سے غداری کرنے والا ہے۔ وہ صرف خیمہ گاہ کی گپ شپ دہرا سکتے تھے۔ نوجوان مصطفےٰ شہسواری کے لیے پیدا ہوا

ہے اب بھی وہ بادشاہ کے مقابل زیادہ تیزی سے کوچ کر کے اپنا پرچم اڑاتا ہوا دارالحرب میں جہاد کر سکتا ہے..... جب وہ انعام دیتا ہے تو مٹھیاں بھر بھر کے دیتا ہے..... خدا اس کی عمر میں ترقی کرے اور اسے ایک دن ہمارا بادشاہ بنائے۔

اس قسم کی تھوڑی تھوڑی باتیں بڑی احتیاط سے روکسے لانا نے سلطان کے کان تک پہنچائیں۔ روکسے لانا جانتی تھی کہ سلطان کو اپنے دادا کے خلاف اپنے باپ کی حمایت میں نوجوان ینی چیریوں کی بغاوت اچھی طرح یاد تھی اور وہ اکثر اسکے متعلق سوچا کرتا تھا۔ اگر اس محبوب عورت نے سلطان نے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا ہوتا اور اپنی سوچ کا اظہار نہ کیا ہوتا تو اسے اپنی خباثت میں کامیابی نہ ہوتی۔

اس تجویز کو کامیاب ہوتے کئی برس لگ گئے۔

روکسے لانا اپنے شوہر کی طبیعت کا ان تھک مطالعہ کرتی رہی۔ وہ اس پار سے سکول کی چار دیواری سے لڑکوں کو آنکھوں پر پٹیاں بندھوا کر اندرونی تخت گاہ میں بلواتی اور ان سے گیت گواتی اور غور سے دیکھتی کہ سلطان کے چہرے پر ان کے گانے کا کیا اثر ہو رہا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی چیز اندر ہی اندر سلطان کو اس سے الگ کر رہی ہے' اور یہ اس کی دسترس سے باہر ہے۔ یہ سلطان کی طبیعت کی گہرائی میں ظلم کا شائبہ تھا' اسکے ساتھ ہر اس شے پر بے اعتباری تھی جس کو وہ اچھی طرح نہ سمجھ سکتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک امنگ اور خواہش بھی اس قسم کی کہ جس کو خاصگی باوجود اپنی ساری فہم و فراست کے سمجھ اور پہچان نہ سکتی تھی۔

سلطان کے خلاف سازش کرنا بہت خطرناک تھا۔ برخود ظلم ابراہیم میں بھی اتنی

جسارت نہ ہوسکی۔ وہ یہی کرسکتی تھی کہ اس کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کرتی جائے..... اب جب سلطان ینی چیریوں کی بارکوں کے پاس سے سوار ہو کر نکلتا تو ان کی کڑاہیوں کو ضرور دیکھ لیتا کہ کہیں وہ تو الٹی ہوئی نہیں تھیں۔ اب یہ سلطان کی عادت ثانیہ بنتی جارہی تھی اس کا شک اس کے لیے یہ عادت ثانیہ بنتا جارہا تھا۔

روکسے لانا بار بار گل بہار کے فرزند کی ہمت کا مردانہ ذکر کرتی۔ وہ کہتی کہ ایشیائی عسکر کے ساتھ بہت جلد مصطفےٰ مشرق میں ایرانیوں کو شورش فرو کردے گا۔ ینی چیری بھی اس کی اطاعت کریں گے۔ حالانکہ عموماً وہ سلطان البرین والبحرین کے علاوہ کسی اور کو اپنا سپہ سالار بنان پسند نہیں کرتے۔ اب سلیمان کو مشرق کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

لیکن یورپ والوں سے صلح کرنے کے بعد سلیمان نے مشرق کا رخ کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ اب وہ خود ایران کے قضیے کا فیصلہ کردے گا۔ کیونکہ شاہ طماسپ کے ایک بھائی نے بھاگ کر اس کے دربار میں پناہ لی تھی۔ اگر ایران کی حکومت وہ شاہ طماسپ اور اس کے باغی بھائی کے درمیان تقسیم کر پائے تو اس کی اپنی سرحد ہنگاموں سے پاک ہو جائے گی۔

سلیمان سارے لشکر سمیت 49-1548 کے موسم زمستان میں ایران روانہ ہو روکسے لانا نے سنا کہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی کیونکہ ایرانی اس کے مقابل لڑنے کو نہ نکلے اور پیچھے ہٹتے گئے۔ روکسے لانا نے کسی نہ کسی طرح اس کا روزنامچہ پڑھ لیا جس کے اندراجات بھی زیادہ مختصر تھے۔ اس نے پہاڑوں کو عبور کیا' اور اس کے شہسوار

اصفہان کے دروازوں تک پہنچ گئے لیکن روزنامچے میں اس نے صرف مقامات کے نام درج کیے تھے اگرچہ اب بھی پہلے کی طرح اس نے ایک امیر البحر پیری رئیس کو مشرق کی طرف بھیجا تھا۔ جس نے پرتگیزوں سے مسقط چھین لیا تھا اور خلیج فارس پر اقتدار حاصل کرلیا تھا لیکن سلیمان نے اس کارنامے پر فخر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس نے صرف اتنا لکھا کہ جب پیری رئیس کا بیڑا بحرین کے جزیروں میں چٹانوں سے ٹکرا کر ڈوب گیا تو وہ کشتیوں سے بچ کر نکل آیا۔ مصر میں پیری رئیس پر اپنا بیڑا ضائع کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور موت کی سزا دی گئی۔

اب تک سلیمان اپنا غصہ پی رہا تھا' اب اس کا اظہار ہونے لگا۔ روکسے لانا نے یہ دیکھ کر بڑی احتیاط کی اور وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ رستم صرف خزانہ عامرہ کے کام میں مصروف رہتا ہے' اور ابراہیم کی طرح سیاسی طاقت کا بے جا استعمال نہیں کررہا ہے۔ رستم بھی سلطان سے کانپتا تھا۔

پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ایشیا سے واپس ہونے کے بعد سلطان کا مذہبی غلو بڑھ گیا اکثر وہ مفتی اعظم کی لکھی ہوئی تفاسیر پڑھتا تھا۔ روکسے لانا نے اسے اس طرح مائل کرنا چاہا کہ اپنے دماغ کو آرام دینے کے لیے زیادہ تر امور کے لیے مفتی اعظم سے فتوے دلوایا کرے۔

اس تجویز پر سلیمان نے عمل نہیں کیا اس نے کہا "شرعی معاملات میں بے شک کیوں کہ ان میں شریعت کا حکم محکم ہے۔ لیکن جہاں تک اطاعت اور وفاداری کے امور کا تعلق ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کیسے معلوم کی جا سکتی ہے؟ ایسے

مقدمات میں تو حالات وشواہد کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیے تھا''۔

اس کا دل بہت ٹھنڈا تھا۔ اور بصد ہو کر واقعات و حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ یہ روسی عورت سلطان کی فطرت کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ اب بھی دراز قد تھا لیکن اس کے قد میں خم پیدا ہو چلا تھا' اس کی بھاری آنکھ نیند کی کمی کی وجہ سے بوجھل رہتی تھی' اب بھی وہ لاکھوں انسانوں کی ضرورتوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ اور یہ فکر اس کے دل پر زخم کی طرح گہرا تھا کہ اب اس میں اتنی طاقت نہیں رہی۔ اس نے بڑبڑا کے کہا'' پیری رئیس کو اپنے ملاحوں کو اس حالت میں نہ چھوڑنا چاہیے تھا''

یہ عورت بڑے استعجاب سے دیکھ رہی تھی کہ سلطان کو جامعہ سلیمانیہ تعمیر کرانے کی کتنی تمنا ہے۔ اپنی کھڑکی سے شہر کے بیچ وخم کے اس پار سرو کے درختوں کی اس بلندی کو دیکھتی جس کے پیچھے شاخ زریں کے مستولوں اور بادبانوں کا ہجوم تھا۔ پرانے محل کی تعمیر کے بجائے سلیمان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس بلندی پر وہ خود ایک نئی بستی اپنے نام سے آباد کرے۔ اس میں محل نہیں تھے۔ مسافروں کے لیے ایک سرائے تھی۔ مدرسے تھے ایک خیراتی طعام خانہ تھا ایک دار الضعفاء تھا۔ ایک دار المجانین تھا۔ اس کے وسط میں ایک عالیشان مسجد تھی۔ جو جامع ابا صوفیہ سے بھی زیادہ خوبصورت اور شاندار بننے والی تھی۔

اب اسے ایک معمار بھی اس کام کے لیے مل گیا تھا۔ یہ رستم کا بھائی صفان آغا تھا۔ جس نے بغداد کی مرمت کی تھی۔ صفان نے ایک ایسے گنبد کا خاکہ بنالیا تھا جو شہر کے ہر گنبد سے زیادہ شاندار تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ یہ گنبد چار ستونوں پر قائم رہ

سکے گا۔ حالانہ بادی النظر میں یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

روکسے لانا کو یقین نہیں آتا تھا کہ کس طرح سلیمان اپنے اطراف ذہین دماغوں سے ہر طرح کا کام لے رہا تھا۔ صفان کا دماغ پتھر کے پل' اور سر راہ خانقاہیں تعمیر کرنے میں مصروف تھا۔ رستم کا دماغ اس دائمی کوشش میں مبتلا تھا کہ اتنا محصول وصول تعمیر کیا جائے کہ رعایا پر بار نہ ہو اور بیرونی ملکوں سے زیادہ خراج لیا جائے۔ سوکولی کا دماغ ان جہازوں کی حفاظت میں مصروف تھا کہ باربروسا کے ورثے میں جو بحری بیڑ املا ہے اس کی کس طرح نگہداشت کی جائے۔ سلیمان کی طرح ان لوگوں کی خوشنودی بھی نہیں خریدی جا سکتی تھی نہ ان کی توجہ روزمرہ کے کام کاج اور فرائض سے بٹائی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

کمان کی تانت اور تین گھونگے

لیکن مصطفےٰ کی جان اتنی ہی محفوظ تھی جتنی کہ مفتی اعظم کی۔ تاوقتیکہ 1553ء کے موسم گرما میں مشرقی سرحد پر بدقسمتی سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ سب اس طرف توجہ ہو گئے۔ مشرق میں ایرانیوں نے پہاڑوں سے نکل کر ارض روم پر قبضہ کر لیا۔ یہ ترکوں کا وہ قلعہ تھا جہاں سے مشرق اور مغرب کے درمیان پہاڑی دروں کی نگہداشت کی جاتی تھی۔ سلیمان کی عمر اب ساٹھ سال کے قریب ہونے والی تھی۔ اس نے بجائے خود مشرق کا رخ کرنے کے فوج کو رستم کی سپہ سالاری میں روانہ کیا۔

بہت جلد سرائے کو تشویشناک خبریں موصول ہونے لگیں۔ فوج کے تجربہ کار سپاہی رستم کو اس لیے ستا رہے تھے کہ سلطان نے خود اس فوج کی قیادت نہیں کی تھی۔ معلوم نہیں کیا بات تھی کہ جب فوج اماسیہ میں مصطفےٰ کی زیر تحویل صوبے سے ہو کر گزر رہی تھی تو اس کی رفتار بھی بہت سست ہو گئی تھی سپاہیوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ اگر سلطان اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ بنفس نفیس ان کی قیادت نہیں کر سکتا تو پھر شہزادہ مصطفےٰ کو ان کی سپہ سالاری کرنی چاہیے۔ ان کا کہنا تھا "یہی ہونا چاہیے صرف وزیر اعظم یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بجائے ولی عہد فوج کی سپہ سالاری کرے۔ یہ رستم عثمانی النسا کا نہیں۔ اگر ہم اس کو قتل کر ڈالیں اور سلیمان کو معزول کر دیں تو ہمارا سلطان بن جائے گا اور جنگ میں ہماری سپہ سالاری کرے گا"۔

اس سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ میدان جنگ

میں ساری ترک فوج میں یہی چرچا تھا۔ رستم نے خفیہ طور پر اطلاع بھیجی کہ اس سے سلیمان کے دل میں شک پیدا ہوا۔ اور اس نے فوراً اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وزیر اعظم نے یہ الزام لگایا کہ مصطفےٰ نے باغیوں کی ہمت افزائی کی ہے۔ اب سلیمان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو وہ تیزی سے مشرق کی جانب سفر کرے یا تخت و تاراج سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

رستم کی اطلاع پر اسے بھروسہ تھا' پہلے تو اس نے فوراً کوچ کی تیاری کی مگر پھر ہچکچانے لگا۔ وہ جب فوج میں پہنچ جائے گا تو کیا ہوگا۔ وہ جبراً کس طرح ساری فوج کو اپنا تابعدار بنا سکتا ہے کچھ لوگ مخالفت کریں گے۔ اور مخالفین قتل کیے جائیں گے۔ ان حالات میں آل عثمان کا قانون یہ تھا کہ ایک جان کی قربانی اچھی ہے تاکہ ہزاروں کا کشت و خون نہ ہو۔

سلیمان کو غالباً بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کے بیٹے کا کیا قصور ہے؟ کس طرح اسے ملزم ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور ناموں کا اظہار کیے بغیر اس نے یہ مقدمہ قاضی القضاۃ کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا:

''اس شہر میں ایک تاجر رہتا تھا' وہ خود تو سفر پر روانہ ہو گیا اور اپنا سارا مال اسباب اپنے ایک منظور نظر غلام کی تحویل میں چھوڑ گیا۔ اپنے مالک کے غیبت میں اس غلام نے مال اسباب کی چوری کی اور اس کو قتل کرنے کے منصوبے باندھنے شروع کیے۔ ان حالات میں قانون کے بموجب غلام پر کیا سزا عائد ہوتی ہے''۔

یہ مسئلہ بلا کسی کی اظہار رائے کے مفتی اعظم ابن سعود کے سامنے رکھا گیا۔ لیکن

اس قاصد کے پیچھے پیچھے حرم سرا روکسے لانا کا بھیجا ہوا ایک اور قاصد بھی پہنچا جس نے مفتی اعظم کو یہ بتادیا کہ اس مسئلے کا سلطان کی ذات سے تعلق ہے۔

مفتی اعظم نے کھرے پن سے جواب دیا ''میرے خیال میں اس غلام کی سزا یہ ہے کہ اسے طرح طرح کے عذاب دے کر قتل کر دیا جائے''۔

یہ ساری کی ساری سازش روکسے لانا کی تھی۔ ابن سعود کا فتویٰ رستم کا خفیہ معروضہ سلیمان کے دربار کاص اور دیوان میں سرگوشیاں یہ سب اسی عورت کی سازش تھی۔

سلیمان نے رستم کو سپہ سالاروں سے سبکدوش کر کے واپس بلا بھیجا شہر کی سرداری اس نے اپنے تیسرے بیٹے بایزید کے سپرد کی جو اس کا منظور نظر تھا۔ اور اپنے خانگی محافظ دستوں کے ساتھ باسفورس پار کر کے وہ سقوطری پہنچا اور یہاں سے مشرق کے پہاڑوں کی جانب طور طویل سفر پر روانہ ہوا۔ اس نے مصطفےٰ کو حکم نامہ بھیجا کہ حاضر ہو کے بالمشافہ اپنی صفائی اور بربریت کا ثبوت فراہم کرے۔

روکسے لانا اس کا انتظار کر رہی تھی کہ سلیمان کا حکم نامہ فوج کے پڑاؤ تک پہنچ جائے اسے یقین تھا کہ گل بہار کا بیٹا مصطفےٰ اتنا بے وقوف نہیں کہ اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کرے لیکن مصطفےٰ اگر بھاگ نکلتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس پر جو الزام لگایا جا رہا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ جب روکسے لانا کو یہ اطلاع ملی کہ باوجود اسکے کہ مصطفےٰ کے رفیقوں نے اس کو سلطان کے پاس نہ جانے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو چکا تھا تو اس عورت کو یقین نہ آیا۔ اس

کے جاسوسوں نے کہا کہ مصطفٰے نے چلتے چلتے یہ کہا کہ اگر اس کی قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو اس سے زیادہ اور کیا خوش قسمتی ہوگی کہ وہ اپنے باپ کے ہاتھوں قتل ہو۔

لیکن مصطفٰے بڑی شان سے اپنے راہرو پر سلطان کے خیمہ گاہ پہنچا۔ اس نے سلطان کے خیمے کے قریب ہی اپنا خیمہ نصب کرایا۔

اور اپنے خیمے سے وہ سلطان کے خیمے کی طرف صرف دو ساتھیوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ سلطان کے خیمے کے دروازے پر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھہر گیا کیونکہ ینی چیری اس کے اطراف میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ اپنے باپ سے ملنے کے لیے اکیلا آگے بڑھا۔ بارگاہ میں تین گونگے بہرے شخص اپنے ہاتھ میں تیر کمان کی تانت لیے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

جاسوسوں کا بیان تھا کہ سلیمان باریک چلمن کے پیچھے مصطفٰے کے قتل کا منظر دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اس کے دونوں ساتھیوں کو خیمے کے دروازے پر قتل کیا گیا مصطفٰے کی لاش قالین پر لٹا دی گئی اور فوج کے سپاہیوں کو اس کے قریب سے کوچ کر جانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ اس کی لاش نہ دیکھ سکیں۔

اس کے بعد خبریں آئیں ان کی طرف روکسے لانا نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ یہ کہ ینی چیریوں نے کس شد و مد سے شہزادہ مصطفٰے کا ماتم کیا۔ اور کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ لیکن تمام روز ینی چیریوں نے کھانا نہیں کھایا۔ انہوں نے رستم کو قتل کر دینے کا مطالبہ کیا جو حفاظت سے شہر کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔

بروسہ کے قدیم شہر میں اس سے بدتر واقعات پیش آئے۔ وہاں مصطفٰے کی بیوہ کو اندیشہ تھا کہ اس کے چار سالہ فرزند کی جان خطرے میں ہے' لیکن حرم سرا سے ایک

خواجہ سرا یہ پیغام لے کر آیا کہ اسے حرم سرا میں طلب کیا گیا ہے اس خواجہ سرا نے کسی نہ کسی طرح بچے کو ماں سے جدا کر کے قتل کر دیا۔ جب اہل بروسہ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو شہریوں نے دوڑ کر قاتل کا تعاقب کرنا چاہا لیکن وہ بچ نکلا۔

مصطفےٰ کا دامن ہر طرح کی غداری سے پاک تھا۔ ایسے نازک موقع پر اس نے بڑی عالی ہمتی سے کام لیا تھا اور وہ اس سازش کا شکار ہو گیا جس کی ذمہ داری اس روسی عورت پر تھی۔

یہ بڑی آسان بات معلوم ہوتی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کے راستے سے اپنے سوتیلے بیٹے کو ہٹا دے لیکن اس کا انجام ایسا شدید ہوا کہ خود اسے اس کی کوئی توقع نہ تھی۔ اس واقعہ کا آل عثمان کے مستقبل پر بڑا فیصلہ کن اثر پڑا۔ سلیمان نے سلطنت کو جس راستہ پر لگایا تھا اس پر آگے بڑھنے کے لیے اگر عثمانیوں کو مصطفےٰ جیسے راہبر مل جاتے تو یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ترکوں کا مستقبل کتنا شاندار ہوتا۔

پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ سلیمان کے خلاف نہیں کیونکہ ان کی رائے میں جس نوجوان کو اتنی بے دردی سے قتل کیا گیا وہ اسی کا تو بیٹا تھا نہیں بلکہ رستم اور روکسے لانا کے خلاف۔ چونکہ کھلم کھلا سلطان کی منکوحہ کا نام نہ لیا جا سکتا تھا' نہ کوئی اسے ہاتھ لگا سکتا تھا۔ اس لیے سارا غصہ وزیر اعظم کی طرف پلٹ گیا جو اس عورت کا داماد تھا۔ ایک شاعر تحیی نے نوجوان عثمانی شہزادے کے ماتم میں ایک مرثیہ لکھا جو بہت جلد مقبول عام ہو گیا۔ تحیی البانوی نژاد تھا۔ پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا عقوبت سے قطعاً نہ ڈرتا تھا۔

رستم جانتا تھا کہ عوام میں اس کے خلاف کس قدر نفرت ہے۔ اس نے دیوان میں یحییٰ کو پکڑ بلایا اور پوچھا ''تم نے یہ جرات کس کیسے کی کہ میرے متعلق لکھا کہ شیطان کی طرح میری رسی بھی دراز ہے اور سلیمان کا تخت مصطفےٰ سے محروم ہوگیا۔

حاضر دماغ شاعر نے جواب دیا ''سب کی طرح میں نے سلطان کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا سب کی طرح اس کے انجام پر میں بھی رو تا ہوں''۔

غصہ کے عالم میں رستم نے یحییٰ کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن سلیمان نے شاعر کو سزا دینے کی اجازت نہ دی۔ اس نے رستم اور وزارت عظمیٰ کے عہدے سے معزول کر دیا۔ سلطان کا قاصد جو سلطنت کا دفتر دار اور خزانچی تھا۔ دیوان میں رستم کے آگے بڑھا اور سلطان کے حکم کے مطابق اس سے آل عثمان کی مہر طلب کی۔ رستم کو اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور مہر سلطنت کے وزیر ثانی کے سپرد کر دی گئی۔

اتنے میں جہانگیر کا قتل ہوگیا۔ یہ مفلوج اور بیمار لڑکا سلیمان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور ہمیشہ سلیمان کے ساتھ رہتا۔ اس کو مصطفےٰ کی موت کا ایسا شدید صدمہ ہوا کہ وہ خود جانبر نہ ہو سکا۔ شاہی طبیب اس کی جان نہ بچا سکے۔

روکسے لانا کی چالاکی کی طرح اب اس رقابت کو فرو نہ کر پاتی تھی۔ جواب اس کے اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان سلگنے لگی تھی۔ وہ خود سلیم کو زیادہ چاہتی تھی اور جسے اور کوئی پسند نہ کرتا تھا۔ سلیم کو اعصابی دورے پڑا کرتے تھے جن میں اس پر بڑی دہشت طاری ہو جاتی تھی اور وہ اپنے آپکو سنبھالنے کے لیے شراب پینے لگا۔ اور کنیزوں میں بہت وقت گزارتا تھا۔ اس کی ماں نے سلیمان کو یہ سمجھانا چاہا کہ سلیم کو

اپنا ولی عہد بنائے لیکن اس نے یہ بات نہ مانی۔ سلیمان بایزید کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ جس میں مصطفےٰ کی سی تمام صفات تھیں جو بڑا حساس اور بڑا دور اندیش تھا۔

ان حالات میں سیاہ بالوں اور بھوری آنکھوں والا بایزید بلا کسی خوف اور تشویش کے تعلیم اور فوجی تربیت حاصل کرتا رہا۔ ادھر رنگیلے سلیم نے اپنے درباریوں کے ساتھ اپنے بھائی کے خلاف سازشیں شروع کر دیں

سلیمان روکسے لانا کے بیٹوں کو اچھی طرح قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن اس کی راہ میں مصطفےٰ کی روح حائل تھی اور روح نے ایک جعلی شخص کی صورت اختیار کی۔ اور مردہ شہزادے کا بھیس بدل کر وسط اناطولیہ کے قبیلوں کو بھڑکا کے درویشوں کی مدد سے اچھی خاصی جمعیت اکٹھی کر لی۔ یہ شخص مصطفےٰ سے اس قدر مشابہ تھا کہ وہ فوجی افسر جو مصطفےٰ کو اس کی زندگی میں اچھی طرح جانتے تھے قسمیں کھا کے کہتے تھے کہ یہ بالکل جیتا جاگتا مصطفےٰ ہے۔

بہت جلد اس جعلی مصطفےٰ کا بھرم کھل گیا یہ گرفتار ہو گیا لیکن اس نے جو فتن کھڑا کیا حتا اس کی لو سلیمان کے دونوں زندہ بیٹوں کی خیمہ گاہوں تک پہنچ گئی۔ یہ ایک ذرا سی چنگاری تھی جسے ڈرپوک سلیم نے ہوا دے کے بھڑکایا تھا۔

سلطان جب اکیلا ہوتا جب وہ اکیلا باب عالی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گزرتا۔ جب عشاء کی نماز کے بعد اس کا خادم کپڑے تبدیل کروا کے آداب بجالاتا اور رخصت ہو جاتا وہ اکیلا لچی کاری کے فرش پر اپنے بچھونے کی توشک پر جا لیٹتا اور تنگ دریچے سے سرو و صنوبر کے درختوں کے درمیان ستاروں کے نقشے دیکھتا۔ تو

اکیلے میں سلیمان کو اپنے بیٹے کا چہرہ نظر آتا۔ وہ کبھی اس کا ذکر نہ کرتا۔ اب وہ رات کو چراغ جلتا رہنے دیتا۔ اور اس طرح چراغ کی روشنی میں البانوی یحییٰ کا لکھا ہوا مرثیہ پڑھتا کیونکہ یحییٰ کو بھی مصطفےٰ سے محبت تھی۔

جھوٹے سازشی نے کیا چھپی ہوئی نفرت دکھائی..... جس کی وجہ سے ہمارے آنسو تھمنے نہیں پاتے..... اور موت مصطفےٰ کے لیے کیا تحفہ لائی۔ اجنبیوں کی طرح وہ ایک منزل کی طرف چل پڑا''۔

اب سلیمان کی ٹانگوں میں گٹھیا کی تکلیف تھی' جب وہ تھک جاتا تو اس کی سانس رکنے لگتی جہاں کوئی ہنگامہ ہوتا اگر وہ خود موقع پر پہنچ کر تحقیقات نہ کر پاتا تو صحیح واقعات اس کے علم میں نہ آتے اب وہ ساٹھ سال کا تھا اور اس کے لیے زیادہ چلنا پھرنا اسان نہ تھا

پہلے وہ ابراہیم کو قضیے چکانے کے لیے مصر بھیج دیا کرتا۔ اس مرتبہ مصر کے صوبہ دار اور نئے وزیر احمد کے درمیان تنازیہ شروع ہوا تو وہ خود مصر نہ جا سکا۔ سلیمان احمد کو بڑا ایماندار سمجھتا تھا صوبیدار کو بھی ایماندار سمجھتا تھا۔ لیکن اس جھگڑے کی بنیاد یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بددیانتی سے دولت کمانے کے لیے محاصل میں اضافہ کر رہا ہے۔ سلیمان کے ہاتھ میں احمد کا لکھا ہوا ایک خط پہنچ گیا۔ جس میں اس نے اپنے نمائندوں کو محض صوبیدار کو ذلیل کرنے کے لیے محاصل میں اضافہ کرنے کی تاکید کی تھی۔

اس خط کو پڑھ کر سلطان غصے کے عالم میں احمد کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ قتل

کے بعد اسے اطلاع ملی کہ احمد مصر کے محاصل بڑھانے سے ہچکچاتا تھا۔ لیکن رستم اپنی قابلیت سے وہاں سے بہت زیادہ محاصل وصول کیا کرتا تھا۔ روکسے لانا نے احمد کے خلاف مواد اکٹھا کر دیا تھا۔

حرم سرائے میں اس کی اپنی بیٹی مہر ماہ اس کی خوشامد کرتی اور روکسے لانا اصرار کرتی کہ وزارت کے منصب پر رستم کو بحال کر دیا جائے۔ رستم ہی اعتماد کے قابل ہے۔ ایک سال بعد سلاان نے ان کی بات مان لی۔

رستم نے ایک معاملے میں بڑی احتیاط سے محاصل اور خزانے کے معاملات کے علاوہ سلطان کے اور کسی فرض و اختیار کو ہاتھ نہ لگایا۔ اب سلیمان اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ان اختیارات کو سنبھالنے میں اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا تھا۔ مفتی اعظم لاکھ فتوے دیتے رہیں فتووں کے متعلق فیصلہ اسی کے اپنے اختیار کی بات تھی۔ اس کے گھرانے میں جو دیمک لگ چکی تھی اس کا مداوا اس کے سوا اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔

وہ اب تک یہ دیکھ نہیں پایا تھا کہ اس کی اپنی حرم سرا میں روکسے لانا اور مہر ماہ کی سازشوں کی وجہ سے نظم و نسق سلطنت میں ایک بڑی مہلک کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ اگر پردہ نشین عورتیں دیوان پر حاوی ہو جائیں تو رفتہ رفتہ وہ سلطنت کے سارے امور پر چھا جائیں گی کیونکہ وہ خود تو نظر سے اوجھل رہتی ہیں۔ اور اندرونی بارگاہ سے باہر کوئی ان کی آواز تک نہیں سن سکتا۔

رستم ان بے شمار عثمانی وزیروں میں سے پہلا وزیر تھا جس کا تقرر حرم سرا نے کیا تھا۔

پہاڑی پر خانقاہ

سلیمان کی ایک کمزوری تھی۔ کہ وہ کبھی کبھی ایسی تجویزیں سوچتا تھا جن کو عمل میں لانا انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ اس کا تصور یہ تھا کہ تقاضائے انصاف ایک اٹل قانون ہے وہ جو وعدہ کرلیتا پورا کر کے رہتا خواہ اسے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ اس پر اسے بڑا فخر تھا اپنی تلوار کے لعل و جواہر سے مرصع قبضے پر نہیں کیونکہ عثمانی تلوار محض عثمانی طاقت کی نشانی تھی۔ اس طرح اس کا جگمگاتا ہوا ملبوس اس کی زندگی کی ضرورتوں کا محض ایک حصہ تھا۔ شاذونادر ہی وہ کسی چیز کو پسند کرنے لگتا جیسے اس کے اصطبل کے اعلیٰ نسل کے گھوڑے اطالوی صناع چیلینی کے ہاتھ کا بنا ہوا مرصع زریں جام یا کوئی نادر گھڑی۔

اوگیر بوزبک یہ قصہ بیان کرتا ہے کہ کسی شخص نے اعتراض کیا کہ چاندی کے ظروف میں کھانا کھانا حرام ہے۔ اس دن سے اس نے مٹی کے برتنوں میں کھانا کھانا شروع کر دیا۔ ترکوں اور ان کے سلطان کے کردار کے یہ دونوں رخ ان فرنگیوں کو بہت حیران کرتے۔ جواب عالی میں حاضر ہوتے۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ترک بے رحم بھی ہیں اور صوفی منش بھی۔ ایک فرنگی کی یہ رائے تھی کہ بڑے معاملات میں رئیسوں کی سی عالی ظرفی دکھاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کی عادتیں ڈاکوؤں کی سی ہیں''۔ بوزبک دیکھا کرتا تھا کہ یہ عجیب وغریب ترک زمین سے کاغذ کے ایسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھالیتے ہیں جن پر اللہ رسول

کا نام لکھا ہوتا ہے اور ان کو جھاڑیوں یا مسجدوں میں چھپا کے رکھ دیتے ہیں تا کہ پیروں کے نیچے یہ مقدس نام کچلنے نہ پائیں

عام طور پر اہل یورپ اپنے تصورات اور خواہشات کے مطابق ترمیم کر لیتے تھے۔ سلیمان یہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے پیش رووں کیطرح خلیفۃ المسلمین ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ اس کے برعکس اور براعظموں کے نقطہ اتصال قسطنطنیہ کو اس نے ایک بین الاقوامی پناہ گاہ بنایا۔ اگر اس میں اسے پوری کامیابی نہیں ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس عظیم الشان شہر کو وہ اس طرح زندگی میں نہیں بخش سکتا تھا۔ جیسے سمندر پار رومتہ الکبریٰ کو حاصل تھی۔ جہاں مقدس کلیساؤں کی زیارت کے لیے زائرین جمع ہوتے تھے وہاں کے مناعوں کی کاریگروں کی دکانوں' بازاروں اور خاص کر بازار حسن کی سیر کرتے

قسطنطنیہ اب بھی پہلے کی طرح پناہ گزینوں کا شہر رہا۔ اس میں جابجا اقلیتوں کے بازار اور محلے تھے یونانی کلیسا اور یہودیوں کے معبد تھے۔ ترکوں کے بے شمار حمام اور مقبرے تھے اس شہر کی حالت ایک عظیم الشان کاروان سرا کی تھی' جہاں لوگ ادھر ادھر سے جوق در جوق آ کے جمع ہوتے اور پھر اپنا اپنا راستہ لیتے۔

سلیمان اگر کسی کام کا قصد کر لیتا تو پھر مشکل سے اپنا ارادہ بدلتا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے پائیہ تخت کو دنیا کا سب سے بڑا مرکزی شہر نہ بنا سکا تھا اس نے صفان معمار کو حکم دیا کہ پرانے محلوں کے کھنڈر کے پیچھے ایک خانقاہ سلطانی تعمیر کرے۔ اگر قسطنطنیہ مشرق کا رومتہ الکبریٰ ثانی نہیں بن سکتا تو نہ سہی۔ استنبول کے شہریوں کو شہر

کے اندر ایک اور چھوٹا سا شہر بنوا دے گا۔ اس نے ارادہ کیا کہ جس طرح رومتہ الکبریٰ میں واتی کانو کا چھوٹا سا شہر ہے۔ جو پاپائے روم کا مستقر ہے اسی طرح کا مکمل اندرونی شہر اس نے قسطنطنیہ میں بنوانا چاہا۔

چھ سال کی کوشش کے بعد اس کو اور اس کے ان تھک معمار اعظم نے سنگ مرمر اور سنگ سلیمانی کی سلیں ویران کلیساؤں اور بیلی سارلیس کے محل سے اکھڑوا کے لگوائیں۔ اس زمانے میں بیلی سارلیس کا محل منہدم نہیں ہونے پایا تھا۔ اس زمانے میں عبادت گاہوں کی تعمیر اور آرائش کا عجیب کارنامہ تھا یہ وہی زمانہ تھا کہ رومتہ الکبریٰ میں بوڑھا میکائیل آنجلو کلیسائے سان پطرس کا گنبد تعمیر کرنے کی کوشش میں منہمک تھا۔ اس گنبد کا خاکہ برامانتے نے بنایا تھا' اس کی سرپرستی کرتے تھے۔ سلیمان نے منشاء کے مطابق جامع سلیمانیہ کے کاریگروں نے بھی ایسی ہی پھرتی دکھائی کہ جس پھرتی سے دوسرے کاریگروں نے ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں خیر الدین باربروسا کے لیے بحری بیڑا تیار کیا تھا۔

جامع سلیمانیہ شہر کی ساری آبادی کے لیے عبادت گاہ تھی۔ یہ نہ سلطان کا اپنا گھر تھا نہ مفتی اعظم کا یہ خانہ خدا تھا۔ لیکن اس زمانے میں پیرس میں فرانسس اول لوور کی دوبارہ تعمیر کرا رہا تھا۔ تاکہ اسے اپنے رہائشی قصر کے طور پر استعمال کر سکے۔ اور کچھ ہی عرصے کے بعد کیتھرین دے میدی چی پیرس میں تیری کا قصر بنوانے والی تھی۔ پانی کا ایک حوض تھا جو کے فواروں کے ذریعے پینے کا صاف پانی حماموں میں آتا تھا۔ یہاں متبدیوں کے لیے ایک مکتب تھا جہاں چھوٹے بچوں کو

قرآن خوانی اور آسان ریاضی کی تعلیم دی جاتی۔ اس کے علاوہ یہاں چار اعلیٰ قسم کے مکاتب تھے جن میں علوم طبعی کی تعلیم دی جاتی اور ساتھ ہی مابعد الطبیعات موسیقی اور ہیئت جیسے غیر معمولی علوم بھی پڑھائے جاتے۔ رصد گاہ میں ماہرین نجوم ستاروں کی گردش کا حساب رکھتے۔ درسگاہ میں ملا باری باری سے تلاوت قرآن کا سلسلہ شام و سحر جاری رکھتے۔

بیماروں کے لیے ایک شفاخانہ تھا۔ جس کے ساتھ ایک طبی مدرسہ وابستہ تھا۔ غیر مسلموں کے لیے ایک اور چھوٹا سا شفاخانہ تھا۔ جہاں ان کے مذاہب کے اصول کی بنا پر ان کا معالجہ ہو سکتا تھا۔ مقامی اور باہر سے آئے ہوئے عیسائیوں کے لیے ایک سرائے مخصوص تھی جس میں وہ تین دن تک مہمان ٹھہر سکتے تھے۔ اور انہیں شوربہ جو اور گوشت مفت کھانے کو دیا جاتا تھا۔

طالب علموں کے لیے مسجد کی وسیع بارہ دری میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا یہ کتابیں زیادہ تر مسودات کی شکل میں تھیں۔ جنہیں خطاطوں نے لکھا تھا اور تصویروں کو مطلا اور مذہب حاشیوں سے آراستہ کیا تھا۔ ابھی تک ترکوں نے یورپ کا نیا علم طباعت نہیں سیکھا تھا۔ کتب خانہ کی زیادہ تر کتابیں فقہ اور حدیث کے متعلق تھیں لیکن علم کے متلاشی کے لیے جغرافیہ احکایات لقمان اور اخوان الصفا سے لے کر جامی اور رومی جیسے شعرا کے دواوین تک ہر طرح کی کتابیں جمع کر دی گئی تھیں۔ اوپری بارہ دری میں ایک مخزن تھا جہاں جو چاہتا مہر لگا کر اپنی امانت محفوظ رکھوا سکتا تھا۔ نقد و جواہر زر و زیور ہو یا کوئی اور معمولی سے محفوظ رکھنے کے قابل چیز جو چاہتا وہ

اپنی امانت جامع سلیمانیہ کے اس خزانہ عام کے نگہبانوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ یہاں چوروں اور محصول وصول کرنے والوں سے یہ مال محفوظ رہتا تھا۔

یہ عظیم الشان مسجد جامع سلیمانیہ بلندی پر واقع تھی باہر سے یہ بھی اور ترک مسجدوں کی طرح جامع ابا صوفیہ کی شان وشوکت کی نقل معلوم ہوتی۔ لیکن باہر سے بھی یہ فرق نظر آتا تھا کہ اس کا صحن بڑے بڑے باغات کی طرح وسیع تھا۔ اندر سے صفان نے اسے ایک بڑی مختلف شے بنا دیا تھا۔

آج بھی جب کوئی جامع سلیمانیہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس کی وسعت اور خاموشی روشنی اور تاریکی کے باہمی تناسب کے اثر سے ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دیواروں کے رنگ اور چاروں چوکور بنیادی ستون جن پر رنگ برنگی مرمر کی سلیں جڑی ہوئی ہیں اسے محسور کر دیتی ہیں۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں کلیساؤں کی طرح کوئی مجسمہ نہیں، کوئی آگے کی طرف نکلا ہوا حصہ نہیں کہ سطحوں کے اس وسیع تصور میں خلل انداز ہو سکے۔

منقش شیشوں کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی۔ ان شیشوں پر نقاشی ابراہیم شرابی نے کی تھی۔ مسجد کے اوپر عظیم الشان گنبد کی گولائی ہے۔

یہ گنبد جامع ابا صوفیہ کے گنبد سے چوڑائی میں پانچ میٹر زیادہ ہے اور کلیسائے سینٹ پیٹر کے گنبد سے پانچ میٹر کم چوڑا ہے۔

لیکن شاید ہی دنیا میں کوئی عمارت ایسی ہو جو اندر سے عمارت نہ معلوم ہوتی ہو بلکہ جس کے اندر اس قسم کا احساس پیدا ہو کہ جیسے کوئی شام کے وقت کھلے آسمان کے

نیچے کھڑا ہے۔

سلیمان بوڑھا ہوتا جا رہا تھا لیکن اس کا عزم ابھی جوان تھا۔ اور اس عزم کی وجہ سے ملک بھر میں جا بجا مساجد سلیمانیہ کی تعمیر کی جانے لگی۔ یہ صرف صفان اور اس کے ہوشیار کاریگروں کا ہی کام تھا کہ سلیمان کی مرضی کے مطابق ان تمام مساجد کے خاکے تیار کرے اور انہیں تعمیر کرائے۔

سلیمان کے زمانے میں جو عمارتیں اس کے حکم سے تعمیر ہوئیں ان میں سے ایک ثلث سے کم ایسی تھیں جن کا تعلق ذاتی تعمیر سے وان میں ستائیس محل تھے اٹھارہ حجرے اور پانچ خزانے کی عمارتیں۔ رفاہ عامہ کے لیے ایک ثلث کے قریب عمارتیں تعمیر ہوئی ں ان میں سے اٹھارہ سرائیں تھیں جو شاہراہوں پر مسافروں کے لیے تعمیر کرائی گئیں تھیں اکتیس حمام تھے سات پل' اور سات گزرگاہیں سترہ باورچی خانے تھے اور تین اسپتال تھے۔

ایک ثلث سے زیادہ عمارتیں مساجد اور مکاتب پر مشتمل تھیں۔ سلطان نے اپنی رعایا کے لیے پچھتر بڑی مسجدیں انچاس چھوٹی مسجدیں بنوائیں۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مکتب تھا قسطنطنیہ کے قریب قریب ایک ایک گاؤں میں ایک ایک مسجد بن گئی جو گاؤں میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں اور فقہ کے اعلیٰ تدریس کے لیے سات اور مکاتب کی تعمیر ہوئی۔

ان میں سے زیادہ تر عمارتیں پتھر کی تھیں یا پتھر اور اینٹوں سے ملا جلا کر بنائی گئی تھیں ہر عمارت کے اطراف مں ایک باغ اور باغ کے اطراف چار دیواری تھی۔

یروشلم میں آج بھی سلطان سلیمان کے آثار باقی ہیں۔ پرانے شہر کے اطراف جو فصیل ہے وہ سلیمان ہی نے بنوائی تھی اور اس کا صدر سنگین دروازہ اب بھی برج داؤد کہلاتا ہے۔ یروشلم کے مشرقی حصے میں سلیمان نے پرانی عبادت باہوں کی مرمت کرائی جو کلیسائے حجر اور مسجد اقصیٰ کے اطراف واقع تھیں۔ اس سارے مقدس علاقے کو اہل اسلام بیت الحرام کہتے ہیں۔ سلیمان نے فرانسکن راہبوں کو بیت الحرام کے احاطے سے منتقل کر دیا اور اس کے معاوضے میں اس عیسائی برادری کو بسانے کے لیے عیسائی ضریح مقدس کے قریب ہی کچھ زمین عطا کر ڈالی

یہ تعجب کی بات نہیں کہ سلیمان اپنی روز افزوں دولت کو عمارتوں کی تعمیر پر اس فراخدلی سے خرچ کیا۔ وہ اس دولت کو اپنی ذاتی دولت نہیں سمجھتا تھا وہ الملک اللہ کی طرح اس نظریہ کا قائل تھا کہ یہ سارا مال بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ اسے خدا کے نام پر صرف کیا جائے۔

اپنے استعمال کے لیے اس نے صرف ایک قصر بنایا۔ یہ وہ محل تھا جو گرمیاں گزارنے کے لیے اس نے باسفورس کے اس پار تعمیر کیا اور جسے جسے اس کی عمر گزرتی گئی وہ زیادہ تر کشتی پر سوار ہو کے اسی محل کا رخ کرتا اور آرام لیتا۔

زیادہ تر عمارتیں اور زمینیں اس نے شریعت اسلام کے لیے وقف کر دیں اور یہ تمام تر جائیداد اوقاف میں شامل کر دی۔ اس طرح آہستہ آہستہ سلیمان خود علمائے شریعت کا پایہ مضبوط کرتا جا رہا تھا۔ اور حکام نظم و نسق کی حیثیت کو کمزور کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود نظم و نسق حکومت کا اعلیٰ ترین عامل تھا۔ وہ رفتہ رفتہ عیسائی یورپ کے

جدت پسندوں اور طرز فکر سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور مذہب کے غیر متزلزل سائے میں پناہ لے رہا تھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسے امید تھی کہ صرف اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہی مصطفےٰ کے بے گناہ خون کے جرم کو معاف کر سکتا ہے۔

☆☆☆

امن و دولت کا خطرہ

معلوم ہوتا تھا کہ سلیمان کے خاندان پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا تھا روکسے لانا بیمار رہنے لگی تھی۔ اس کے ان دونوں بیٹوں کے درمیان جو زندہ بچے تھے کھلم کھلا جنگ کے آثار تھے۔ روکسے لانا اب بھی اس کی منت کرتی تھی کہ ذہین اور قابل بایزید کے مقابلے میں کمزور سلیم کی حمایت کرے۔ لیکن اس زمانے میں سلیمان کا قطعی ارادہ یہی تھا کہ بایزید کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس کے سوا اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ترک قوم کی سرداری کی اہلیت رکھتا ہو۔

پھر اندرونی تخت گاہ کے قریب ہی اپنے حجرے میں روکسے لانا نے وفات پائی۔ چونہ وہ عورت تھی اس لئے محل سرا سے باہر اسکی موت کا زیادہ چرچا نہیں ہوا۔

سلیمان نے اپنا غم ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اپنی زندگی کا نصف حصہ اس نے اس عورت سے عشق کی حالت میں گزارا تھا۔ اس کا اثر بہت زیادہ قبول کر لیا تھا اور کم از کم دو مرتبہ اسکے ہاتھوں سے دھوکہ کھایا تھا۔ لیکن سلطنت کی لگام اس کے ہاتھوں میں نہ جانے دی تھی۔ ابراہیم کے بعد اور کسی کو پھر سلطنت کے امور میں اتنا اقتدار حاصل نہ ہو سکا۔

اس لیے اس کی موت کا خارجی حالات پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چند سال پہلے شرع کے پابند ترک اس سے اس لیے نفرت کرتے تھے کہ وہ روسی تھی اور اس کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔ اس اس کے خلاف کسی طرح کا جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ جامع سلیمانیہ میں

جولوگ نماز پڑھنے کے لیے جمع ہوتے ان کے لیے تعجب کی بات نہ تھی کہ مسجد کے عقب میں روکسے لانا کی قبر بنائی گئی تھی یا یہ کہ سلطان نے عورتوں کے بازار کے قریب خاصگی خرم کے نام پر ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تھا اور مسجد کے ساتھ وقف کی آمدنی سے ایک مدرسہ اور ایک دارالمجانین وابستہ کر دیا تھا۔ دارالمجانین میں علمائے دین دیوانوں کی ڈھارس بنانے کی کوشش کرتے۔

روکسے لانا بس اتنی ہی یادگار باقی رہ گئی جو وہ اپنی زندگی میں اپنی نسوانی قوت ارادی کے زور سے سلطان کے مزاج پر حاوی تھی۔ اور جو چیز حاصل کر لیتی تھی اسے پھر اپنے چنگل سے نکلنے نہ دیتی تھی۔ سلیمان کبھی اس کا ذکر نہ کرتا شاید وہ سوچتا ہو کہ اگر بجائے روکسے لانا کے وہ خود بیمار ہو جاتا اور روکسے لانا زندہ رہ جاتی اور سلطان کی والدہ کی حیثیت سے سلیم کو کس دھڑے پر چلاتی۔ سلیمان یہ جانتا ہو گا کہ اگر یہ صورت حال ہوتی تو کچھ عرصہ کے لیے سلطنت کی تقدیر زوال پذیر ہو جاتی۔

دراصل اس کی رعایا نئے مصائب میں مبتلا ہو رہی تھی۔

اپنی قوت کے ادراک سے وہ جان جاتا تھا کہ قوم پر کیا مصیبت پڑنے والی ہے۔ رستم جو خود اپنی جیب گرم کرنے میں مصروف تھا یہ سمجھتا تھا کہ جیسے جیسے عثمانوں کی طاقت اور دولت بڑھتی جائے گی ویسے ویسے عثمانیوں کی سلطنت کی مدت اور اقتدار میں اضافہ ہوتا جائے گا اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ رستم کی نظروں کے سامنے کوئی طاقت ایسی نہ تھی کہ جو ترکوں کی بری یا بحری طاقت کو شکست دے سکے کسی طرح کا قحط ترکوں کی زراعت یا مویشیوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے

ترکوں کو ڈر کس بات کا تھا۔

حسب معمول سلطان اکیلا سوچا کرتا۔ وہ سمجھ نہ پاتا کہ کس طرح اپنے اندیشے کا اظہار کرے اس نے اپنا مافی الضمیر ان الفاظ میں بیان کیا۔ ''لکڑی کا مکان جل سکتا ہے کچی اینٹوں کا مکان طوفان میں کمزور ہو جاتا ہے یا زلزلے کے جھٹکے سے گر جاتا ہے پتھر کا مکان باقی رہ جاتا ہے''۔

رستم نے جواب دیا ''آپ پتھر کی بہت سی پختہ عمارتیں بنو چکے ہیں باوجود اس کے کہ ان پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی''۔

رستم کا ذہن اس طرح حساب لگاتا کہ سال بھر کے خرچ سے زیادہ آمدنی خزانے میں وصول ہو جائے جب اس نے سلیمان کو یہ بتایا کہ مصر سے جہاں غلہ پیدا ہوتا ہے محصول میں دوگنی آمدنی وصول ہوئی ہے تو سلطان کو غصہ آ گیا اس قدر محصول عائد کرنے کی وجہ سے مصر کے کسانوں کو بڑی مصیبت برداشت کرنی پڑی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسان طبقہ آئندہ سال اس مقدار میں چاول والیں اور اناج نہ اگا سکے گا۔

اس نے حکم دیا ''مصر کا محصول کم کر کے پھر اتنا ہی کر دو جتنا پہلے تھا''۔

رستم بھی مسکرا دیا ایک مرتبہ جو محصول مقرر کر دیا جائے اس میں کمی کیونکر کی جس سکتی ہے؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ رستم کی وزارت کے زمانے میں سلطان کے صرف خاص کی آمدنی بیس لاکھ اشرفیاں تھیں۔ اور خزانہ عامر میں اکہتر لاکھ اشرفیاں داخل کی جاتی تھیں۔ لیکن اخراجات اس قدر زیادہ بڑھتے جا رہے تھے وہ اس سے زیادہ

آمدنی کی ضرورت تھی چونکہ عرصہ سے کوئی اضافہ نہ ہونے پایا تھا چونکہ اجنبی تاجروں سے چنگی وصول نہ کی جاتی تھی۔ اور خاص طور پر فرانسیسی اس سے مستثنیٰ تھے اس لیے اس طرف سے بھی آمدنی میں اضافہ کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سوائے اس کے اور کیا ذریعہ آمدنی باقی رہ گیا تھا کہ کھیتوں اور مویشیوں، معدنیات اور نمک کی کانوں کو محصول وصول کیا جاتا رہے..... اور پھر زیادہ تفصیل بتائے بغیر رستم نے کہا..... سوا اس کے کہ نظم ونسق کے نئے عہدہ داروں پر شرح محصول بڑھا دی جائے ؟اب اگر ان محاصل میں اضافہ نہ کیا جائے تو خزانے کی سالانہ آمدنی کیسے ہو؟

سلیمان نے رستم کو یہ اجازت تو نہیں دی تھی کہ عام رعایا پر پہلے سے زیادہ محصول وصول کیا جائے۔ لیکن اس نے رستم کو یہ اجازت دے دی کہ نئے عہدہ داروں پر محصول عائد کر دیا جائے۔ بہت جلد یہ محصول ایک طرح کی بھاری رشوت بن گیا جو زیادہ تر وزیر کی جیب میں جاتا تھا لیکن جس کا کچھ حصہ اور سب کے یہاں تک کہ دربانوں کے حصے میں بھی پہنچتا تھا۔

بہت جلد یہ رشوت ستانی کھلے بندوں ہونے لگی۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی شخص جو رشوت دے سکتا عہدے پر مامور رہ سکتا تھا اور یہ نیا عہدہ دار اپنے تقرر کے بعد اپنی جیبیں اپنے ماتحتوں کو لوٹ کھسوٹ کے پر کرتا اور اپنی کسر نکال لیتا۔

نظم ونسق کے عہدہ داروں میں یہ عام کمزوری جاگزیں ہوگئی تھی کہ جو رقم ان کے ہاتھوں سے ہو کر گزرتی تھی اس میں سے وہ اپنا تھوڑا بہت حصہ ضرور نکال لیتے تھے بیلربے جو باب عالی سے فاصلے پر متعین تھے ان کی کڑی نگرانی تو نہ کی جا سکتی تھی

اپنے منظور نظر ماتحتوں جو جاگیریں بخشنے لگے۔ سلیمان نے اس کی روک تھام کے لیے یہ قانون نافذ کیا کہ جاگیر عطا کرنے سے پہلے ہر بیلر بے پر لازم ہے کہ وہ وزیر کے دفتر کی منظوری حاصل کرے لیکن باب عالی میں اس کا تخمینہ کرنا بہت دشوار تھا۔ کہ کس کو کس قدر صوبے میں کس مالیت کی اور کس طرح کی جائیداد دی گئی ہے اس کے علاوہ رشوت کے زور پر وزیر کے دفتر سے اجازت نامے آسانی سے مل جائیں گے۔ جب ایک مرتبہ پرانے ترکوں کی دیانت داری ختم ہونے لگی تو پھر نئے قانونوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا۔

سلیمان نے تمام زمینوں اور زمینداروں کا حساب کتاب رکھنے کی کوشش کی لیکن یہ کام کئی سال تک جاری رہا اور تمام کو نہ پہنچنے پایا۔

پرانا عثمانی طرز قانون بڑا اطمینان بخش تھا۔ ترک رعایا کھیتی باڑی یا صنعت و حرفت کرتی تھی اور تھوڑا سا محصول ادا کرتی تھی۔ نظم و نسق کے عہدار جو حکومت کے عہدے پر فائز ہوتے تھے یا مستقل فوج میں افسر تھے محاصل سے مستثنیٰ تھے۔ سلطان محمد فاتح کے زمانے سے یہی دستور چلا آ رہا تھا۔ اس زمانے میں سلطنت اتنی وسیع نہ تھی، اور ترک کسان، اور مکتب کے پڑھے ہوئے عہدہ دار یا مسلسل لڑائیوں میں منہمک رہتے۔ یا پھر تعمیر کے کاموں میں۔ اب اس صلح کے دور میں کھانے پینے کی تو افراط تھی مگر نظم و نسق کے عہدہ داروں کی تنخواہ قلیل ہو گئی تھی۔ کسانوں کے مویشیوں، اور ان کے مال اسباب اور گھر بار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ نظم و نسق کے بلا تنخواہ سپاہی ان کسانوں سے ان کی ملکیت کی چیزیں چھیننے چرانے لگے تھے۔ ذی اثر عہدہ

داروں کو جو تحفے دیے جانے لگے تھے ان میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا۔

اجنبی اب کہنے لگے تھے اگر تمہارے ہاتھ میں کوئی تحفہ نہیں تو یہ لوگ تمہاری بات تک نہ سنیں گے۔

سلیمان خود بھی کبھی کبھی چینی کا کوئی نادر تحفہ ظرف یا کوئی جگمگاتا ہوا ہیرا تحفتاً قبول کر لیا کرتا تھا۔ اس عرب نسل کے گھوڑوں اور ٹھنڈے ریشمی ملبوسات کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ اب وہ اپنے آباؤ اجداد کے خزانے میں لکٹی ہوئی کھالوں کے متعلق زیادہ سوچ بچار نہ کرتا تھا۔

جب بالآخر رستم کی املاک کا حساب لگایا گیا تو طرح طرح کے ذخیرے برآمد ہوئے زمینوں مویشیوں پن چکیوں غلاموں اور بے شمار روپیہ کے علاوہ وزیر کے قبضے سے قرآن پاک کے آٹھ سو نو نسخے برآمد ہوئے جن میں سے اکثر کی جلدیں جواہرات سے مرصع تھیں۔ زربفت کی گیارہ سو کلاہیں نکلیں چھ سو زینیں نکلیں جو چاندی کے کام سے مزین تھیں اگرچہ کہ رستم نے ابراہیم اور اسکندر چغلی کی طرح نجی فوج ملازم نہیں رکھی تھی لیکن اس کے ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ دو ہزار نو سو سدھے ہوئے جنگی گھوڑے تھے اتنی ہی زرہیں تھیں سونے سے مرصع خود تھے اور بیسیوں رکاب کے جوڑے ایسے تھے جن پر سونے کا کام بنا ہوا تھا۔ یہ تمام بیش قیمت چیزیں آسانی سے بک گئیں۔ بڑے بڑے جواہرات موتی اور زمرد جو تعداد میں بتیس تھے اس قدر مایت کے تھے کہ غریب آدمی امیر بن جائے۔

اوگیر بوزیک کا کہنا ہے کہ منحوس اور لالچی رستم سرائے کے باغوں کی ترکاریاں

تک بیچ کھاتا تھا۔

ان زوال آمادہ قوتوں اور اس لالچ اور لوٹ کے مقابلے میں سلیمان نے مکتب کے تعلیم یافتہ عہدہ داروں میں بے نفسی اور دیانت داری کا میلان پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بوزبک اقرار کرتا ہے کہ ''یہ ترک اپنے لوگوں کو بھی محض ان کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر جانچتے ہیں اور کسی بنیاد پر نہیں''۔

ترک اگر ان اجنبیوں پر شک کرتے ہیں جن کو ترکوں کے قوانین کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا تو سلیمان انہیں سمجھاتا کہ ان اجنبیوں سے سلطنت کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ ترکوں کو ان کے ہنر سیکھنے کی ترغیب دیتا۔ کبھی کبھی ترک رعایا میں یہ جذبہ پیدا ہوتا کہ محکوم قومیں مثلاً آرمینیوں' یہودیوں' یونانیوں اور سربیوں کو اتنی مراعات کیوں دی گئی ہیں۔ سلیمان اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کرتا کہ پرانے معاہدوں کے لحاظ سے ان اقلیتوں اور قوموں کو اجازت دی جا چکی ہے وہ یہ اپنے رسم و رواج پر قائم رہیں' لیکن ترکوں کے معاملات میں دخل نہ دینے پائیں مفتی اعظم بن سعود اس معاملے میں سلطان کی تائید کرتا ہے اگر کوئی کافر خراج ادا کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے حقوق کا تحفظ سلطنت پر واجب ہو جاتا ہے''۔

رستم بھی اس کا قائل ہو گیا تھا کہ ممکن ہے کہ روحانی طور پر عیسائی مسلمانوں کے ہمسر ہوں۔ وہ بھی اس عقیدے کو مانتا تھا کہ:

کافر بیدار دل پیش صنم
بہ ز دیندار رے کہ خفتہ در حرم

کچھ عرصہ کے لیے سلیمان کو اس میں کامیابی ہوگئی تھی کہ قانون شریعت اور مکتب کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے آئین نظم ونسق میں ہم آہنگی باقی رہے۔ وہ بنفس نفیس فارغ التحصیل نوجوانوں کو خدا حافظ کہنے باب فرحت کے باہر جاتا۔ ایک مرتبہ جو نوجوان فارغ التحصیل ہو کے اس دروازے سے باہر نکلتا' پھر اندر نہ آنے پاتا۔ سلیمان کو ہر فارغ التحصیل نوجوان کو اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا عطا کرتا خلعت اور زادسفر عنایت کرتا۔ ایک اطالوی نے یہ دیکھ کر اس کے متعلق لکھا "اس طرح سلطان طرح طرح کے آدمیوں میں وفاداری اور انعام واکرام کے بیج بوتا ہے"۔

☆☆☆

اوان خونخوار کی آمد آمد

سلیمان تیزی سے سفر کر رہا تھا لیکن بایک وقت دو جگہ موجود ہونا ناممکن تھا۔ عثمانیوں کے طرز حکومت کی بڑی کمزوری یہ تھی کہ صرف ایک فرد واحد یعنی سلطان مصیبت کے وقت قوم کی رہنمائی کر سکتا تھا۔

ادھر کچھ عرصہ سے بحیرہ اسود کے کنارے کی چراگاہوں کے شمال میں' اس علاقے سے جہاں خان کریمیا صاحب غیرئی جو سلطان کا باجگذار تھا۔ حکومت کرتا تھا' ایک اور شخص بڑے وحشی پن سے جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ چراگاہوں سے اس دور دراز کے علاقے پر سلطان کی حکومت برائے نام تھی۔ تاتاری اور روسی دونوں اس سے ڈرتے تھے۔ روسی اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ سلطان نے ان کے معاملات میں مداخلت کے لیے فوج روانہ نہیں کی۔

جب اوان خونخوار نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی کر کے قازان کا رخ کیا جو اوپری دونگا پر مسلمانوں اور تاتاریوں کا ایک قلعہ ایسا تھا جو ماسکو سے بہت قریب واقع تھا تو سلیمان نے صرف اتنی مزاحمت کی کہ صاحب غرئی کو مشورہ دیا کہ وہ دیگر خاں جیسے جنگ آزمودہ سردار کو قازان کی حفاظت کے لیے تعینات کرے۔

1552ء میں روسیوں نے قازان کا محاصرہ کر کے یہ شہر فتح کر لیا۔ یہ روسیوں کی تاریخ میں ایک بڑا یادگار سال ہے کیونکہ اس سال سے ہیبت ناک تاتاریوں کے تسلط سے روسیوں نے آزادی کا آغاز ہوتا ہے۔

سلیمان نے ایک نوجوان تاتاری کو قسطنطنیہ روانہ کیا تاکہ وہ دریائے وولگا کے دہانے پر دور دراز استراخان کی حفاظت اور مورچہ بندی کر سکے۔

لیکن اس عرصے میں بحیرہ اسود کے جنوبی کنارے پر سلطان کو اپنی توجہ منعطف کرنی پڑی اور اس مہم کا انجام یہ ہوا کہ شہزادہ مصطفےٰ کو قتل اور رستم کو برطرف کرا دیا۔

کریمیا پر بھی اس کا اثر پڑا۔ کریمیا کے خان صاحب غرئی اور رستم میں پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ ترک سپاہی اور ینی چیری جو روسیوں کے مقابل صاحب غیرئی کی مدد کے لیے بھیجے گئے تھے اور روس کے بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے کنارے یلغار کر رہے تھے۔ صاحب غیرئی سے جھگڑ بیٹھے کہ ''ہم تمہاری دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے ہم تو سلطان کے نوکر ہیں'' اس جھگڑے کا انجام یہ ہوا کہ کریمیا میں صاحب غیرئی کو قتل کر دیا گیا جو روسی علاقے میں چنگیز خان کی نسل کا آخری سردار تھا۔ وہ سلیمان کا دوست اور حلیف تھا' لیکن سلطان بحیرہ اسود کے شمالی کنارے پر اس کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکا۔ 1553ء سے 1554ء تک دو سال جو روسیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے بہت نازک ہے۔ سلطان کو بحیرہ اسود کے جنوبی ساحل پر ایران کے قریب گزارنے پڑے۔

اوان کی فوجوں نے تیزی سے استراخان پر قبضہ کر لیا یہ شہر دریائے وولگا اور بحیرہ خوارزم میں کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔

روسیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور وہ بے روک ٹوک جنوب کی طرف دریائے ڈان کی زرخیز وادی اور بحیرہ اسود اور بحیرہ خزر کی طرف پیش قدمی کر

رہے تھے سلیمان کو ان دونوں مشہور اسلامی شہروں قازان اور استراخان کے قبضے سے نکل جانے کی خبر سن کر بڑا رنج ہوا۔ جب ایک نئی روسی فوج 1555ء میں کریمیا کے شمال میں نمودار ہوئی تو سلیمان نے صاف صاف کہلا بھیجا کہ کریمیا کے تاتاریوں کے وطن پر وہ روسیوں کے حملے کر ہرگز برداشت نہ کر سکے گا۔

یہاں پر روسی تھک گئے۔ ان کے کچھ سردار تو اس پر آمادہ تھے کہ تاتاری خانوں کی اس آخری سرزمین پر بھی قبضہ کرلیا جائے۔ دوسروں کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ وہ کریمیا کے سواروں' ریگستان کے قلعوں اور ترکوں سے ڈرتے تھے۔ بحیرہ اسود کی تمام بندرگاہوں پر روسیوں کا قبضہ تھا۔ ان میں سے ایک بندرگارہ کافا کریمیا میں واقع تھی۔ بالآخر اوان شمال کی طرف بحیرہ بالٹک کی جانب لپکا۔ اس زمانے میں روسیوں کی کوشش کا آغاز ہو چکا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اطراف کے سمندروں تک پہنچ جائیں۔

اس پر سلطان نے اوان کے نام ایک فرمان بھیجا جو لاجوردی کاغذ پر سنہرے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اس میں معلوم نہیں طنز یا دھمکی کس وجہ سے سلطان نے اسے خوش نصیب زار اور عاقل سردار....." کے لقب سے یاد کیا تھا۔

کچھ عرصہ کے لیے چارلس پنجم اور اس کے حلیفوں نے اس وحشی ماسکووالے کی بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف دھیان دیا۔ کیا یہ طاقت ایسی ہوتی جا رہی تھی کہ اسے سلیمان کے خلاف استعمال کیا جا سکے؟ یا کم سے کم جرمن اور ڈینی توپچیوں کی یہی رائے تھی جنہوں نے اوان کے لیے قازان کا قلعہ سر کرنے کے لیے توپیں بنائی تھیں

لیکن بالآخر چارلس نے یہ فیصلہ کیا کہ اوان کو مزید مدد نہ دی جائے۔ اور اس نے جرمن کاریگروں کو ماسکو جانے سے روک دیا۔

سلیمان جو کسی ارادے کو ترک کرنے کا عادی نہیں تھا قازان اور استرا کو نہیں بھولا تھا۔ اس نے ان شہروں کے لیے جنگ نہیں شروع کی تھی۔ نہ وہ خود ان دور دراز شمالی قلعوں کو پھر سے چھیننے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اتنی دور کا رخ کرنا چاہتا تھا بہت عرصہ بعد اس نے ان مسلمانوں قلعوں کو دوبارہ تسخیر کرنے کی ایک تجویز سوچی..... جہازوں کے ذریعے۔

اس کی تجویز یہ تھی کہ ترک بیڑے دریائے ڈان میں اوزوف سے اوپر کی طرف بڑھتے جائیں۔ اس مقام پر جہاں دریائے ڈان مشرق کی طرف اور دریائے وولگا مغرب کی طرف مڑتا ہے۔ اور دونوں دریا ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک نہر کھودی جائے۔ اس طرح یہ بیڑا عظیم الشان دریائے وولگا میں پہنچ جائے گا۔ اور شمال میں قازان اور جنوب میں استرا خان دونوں اکی زد میں آجائیں گے (ترکوں کی پرانی بحری ترکیب یہی تھی کہ جہازوں کو خشکی پر سے دوسری طرف سمندر میں پہنچایا جائے)۔

لیکن اس کے پاس کوئی ایسا افسر نہیں بچا تھا جو اس مہم کو سرانجام دے سکتا۔ صفان معمار بھی روسی چراگاہ میں ان دونوں دریاؤں کو نہر کے ذریعے نہ ملا سکتا تھا۔ اسکے علاوہ کریمیا کے نئے خان کو یہ اندیشہ تھا کہ بحیرہ اسود میں ترکوں کی بحری قوت انہیں چراگاہوں میں منتقل ہو جائے گی اس نے سلیمان کے راستے میں روڑے اٹکانے

شروع کیے اور خفیہ طور پر اوان کو ڈان اور دولگا کے درمیان نہر بنانے کے ترکی منصوبے سے آگاہ کر دیا

یہ کوساکون کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ ڈان اور دولگا کے درمیان کی سرزمین پر سے اپنی کشتیاں ادھر سے ادھر منتقل کریں۔ روسیوں نے اس علاقے میں قلعے بنائے اور بالآخر وہ نہر بنائی جس کی تجویز سلیمان کے ذہن میں سب سے پہلے آئی تھی۔

اگر مشرق میں بھی اس کے پاپا ربروسا کا سا امیر البحر ہوتا تو اسے اپنے اس منصوبے میں کامیابی ہو جاتی۔

اندون سلطنت تین بے حد قابل آدمی متزلزل نظام حکومت کو آسانی سے سنبھالے ہوئے تھے۔ ابن سعود جو فقہ اور شریعت کا دل سے پابند تھا۔ رستم کوفطرتاً بڑا کنجوس تھا اور سوکولی جو بڑی بے رحمی اور بے دردی سے ہر معاملے میں پیش قدمی کرنے کا قائل تھا۔ لیکن سلیمان کی خدمت کرتے کرتے ان تینوں میں ایک طرح کی درگزر کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ جو ان تینوں کی جداگانہ قابلیت کے لحاظ سے ہر ایک میں مختلف طور پر ظاہر ہوئی۔

ایسے آدمیوں پر حکومت کرنا آسان نہیں تھا۔ سمندروں میں ضدی دراگوت باب عالی کے فرامین کی تعمیل جب ہی کرتا جب خود اس کا جی چاہتا۔ جب یورپ کے درباروں کے اس کے پکے دشمن نے وینس کی تجارتی شاہراہوں پر حملے شروع کیے تو اس کے اور رستم ک درمیان بڑی کڑی مخالفت شروع ہو گئی کیونکہ رستم یہ نہیں چاہتا تھا

کہ اہل وینس کو نقصان پہنچے جب دراگوت اور اس کے ساتھی بحری سرداروں نے مالٹا کے نائٹوں کے آہنی چنگل سے طرابلس کا شہر چھڑا لیا تو رستم نے یہ شہر صفان رئیس کو بطور جائداد کے عطا کیا۔ اس کے غصہ کے عالم میں دراگوت نے اپنے جہازوں پر خود اپنا سرخ اور سفید پرچم لہرایا اور مغرب کی طرف اپنی طاقت کے بل پر زور آزمائی کرنے لگا۔ اور عثمانی بیڑے کا زیادہ تر حصہ اس کے ساتھ ہو گیا۔

سرائے میں رستم نے دراگوت کی سرکوبی کے لیے ایک بیڑا تیار کیا لیکن سلیمان نے اس جھگڑے میں مداخلت کی اور بیش قیمت تلواروں اور قرآن پاک کا ایک نسخہ اور اس کے ساتھ معافی کا پروانہ دراگوت کے پاس روانہ کیا جو بلا حکم غائب ہو گیا تھا۔

رستم کے بحری سردار اپنے بیڑے پر سوار کرنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ انہیں دراگوت ملا جو تن تنہا واپس آ رہا تھا۔ وہ سیدھا سلطان سلیمان کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس کا قصور معاف کر دیا گیا اور طرابلس کا شہر اسے جاگیر میں عطا کیا گیا۔

☆☆☆

بھٹکا ہوا امیر البحر

دراگوت نے جس اعتماد کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنا مقدمہ سلیمان کی خدمت میں پیش کیا تھا یہ محض اعتماد و وفاداری یا خلیفۃ المسلمین کی اطاعت کے مذہبی غلو یا نظم و ضبط پر مبنی نہیں تھا۔ بوزیک نے بڑی فراست سے اس اعتماد کی وجہ ایک طرح کی امید بتائی ہے۔ دراگوت ایک کسان کے گھر پیدا ہوا تھا۔ اور کھیتی باڑی چھوڑ کے اپنی قوت بازو سے ترکی بیڑے کا امیر البحر بنا تھا۔ یہ مرتبہ اس نے کسی کے اثر یا سفارش سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی قابلیت سے حاصل کیا تھا۔ اسی لیے اسے امیر البحری کا حق پہنچتا تھا۔ جب تک وہ سمندری لڑائیاں لڑتے رہے اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے کپتان پاشا کا اعزاز ضرور ملے گا۔ اگر وہ بحری لڑائیوں میں ناکام رہے تو سلطان کا داماد رستم اسے برطرف کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن جب تک فتح و ظفر اس کے ہم رکاب تھی اسکی آزادی اس کے مرتبے کو کوئی اور ہاتھ نہیں لگا سکتا خواہ وہ کیسا ہی عالی نژاد یا طاقت ور وزیر کیوں نہ ہو۔

اس لیے دراگوت سلیمان کی خدمت میں عفو کی درخواست لے کے حاضر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انصاف طلب کرنے۔

ایک اور امیر البحر تین سات غائب رہا پھر اپنا انعام مانگنے آن پہنچا سیدی علی نسلاً ترک تھا ارحسین نامی ایک شخص کا بیٹا تھا جو ایک زمانے میں اسلحہ خانہ کے حاکم تھا۔ سیدی علی لوگوں نے سیدی علی کاتب کا لقب دے رکھا تھا کیونکہ اس نے سمندر کے

نام سے ایک رسالہ قلمبند کیا تھا محفلوں میں اس کی حاضر جوابی مشہور تھی اور وہ خوب شعر کہتا تھا۔ سیدی علی نے بابر وسا کے پرچم تلے جہاز رانی کی تھی۔ وہ اس کا دعویٰ کرتا تھا کہ بحیرہ روم کے گوشے گوشے سے واقف ہے۔ لیکن جب ایک بیڑا اس کے حوالے کیا گیا تو اسے حکم دیا گیا کہ ہندوستان کے دور دراز ساحل پر پرتگیزوں کا مقابلہ کرے تو اسے پتا چلا کہ بیرونی سمندروں پر کتاب لکھنا آسان ہے لیکن ان میں اپنے بیڑے کے ساتھ رکھنا دشوار ہے۔

(سلیمان اب بھی اس کوشش میں مصروف تھا کہ ایشیائے بعید کے متمول ساحل سے پرتگال کی تجارت کا سلسلہ درہم برہم کر دے۔ پاپائے اعظم کے ایک فرمان کے مطابق پرتگال کو حبش، عرب، ایران اور ہندوستان کے ساحلوں تک جہاز رانی تجارت اور ان ممالک کو فتح کرنے کا پروانہ ملا۔ پرتگالی بیڑا گوا میں جما ہوا تھا اور گوا مین ان کے قدم جم چکے تھے، اور وہ ترک بیڑے کے خطرے کو مقابلہ کر کے دور کر چکے تھے۔ اس زمانے میں یورپ میں مذہبی سزا کا جو قانون تھا اس کی وجہ سے پرتگالی درباریوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان پادریوں کی تبلیغ اور پرتگالی کپتانوں کے زیر کمان اعلیٰ پرتگالی توپ خانے کی مدد سے انہوں نے مالا مال کے ساحل پر مضبوط قدم جما لیے تھے حالانکہ شمالی افریقہ سے ہسپانویوں کے قدم بہت جلد اکھڑ گئے تھے)۔

سیدی علی حفاظت سے اپنا بیڑہ بحیرہ قلزم سے باہر نکال کر لے گیا۔ بحیرہ قلزم لیس تو خیر وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہاں سے بحیرہ عرب کے پار وہ ہندوستان کے

اجنبی ساحل پر پہنچا اور اس نے بیان کیا کہ بحیرہ عرب کے طوفانی تموج کے مقابلے میں بحیرہ روم کی لہریں پانی کی بوندیں معلوم ہوتی ہیں۔

کسی نہ کسی طرح وہ اور اس کے ملاح اور مصری فوج کے سپاہی گوکے پرتگالی کپتان سے دو لڑائیں لڑنے کے باوجود زندہ بچ نکلے۔ سیدی علی کا بیان ہے کہ اس زور کا طوفان آیا کہ اس میں قرنا کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جہاں تک نظر کام کرتی جھاگ کی وجہ سے سمندر سفید ہی سفید نظر آتا تھا۔ اور اس کے بیڑے کے ہندی راہنما نے کہا کہ اب بچنا بہت مشکل ہے۔ کشتیاں ٹکرانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ٹکڑے ٹکے ہو گئیں لیکن وہ خود اپنے آدمیوں سمیت ساحل پر زندہ سلامت پہنچ گیا۔ کشتیوں کی مرمت ناممکن تھی۔

اس کے ساتھیوں اور ملاحوں نے عرض کی ''آپ ہمارے امیر البحر ہیں جہاں آپ کا قدم پڑتا ہے وہاں بادشاہ کا فرمان نافذ سمجھنا چاہیے۔ ہمیں اپنے گھروں سے نکلے دو سال ہو گئے اور اس عرصہ میں تنخواہ نہیں ملی۔ ہمارا سارا مال اسباب ڈوب گیا اور اب ہماری واپسی ممکن نہیں معلوم ہوتی اب آپ کیا چاہتے ہیں''۔

سیدی علی نے ان سے وعدہ کیا کہ واپس پہنچ کر ان سب کی تنخواہ ادا کر دی جائے گی۔ مصیبت یہ پیش آئی کہ جس علاقے میں اس کا بیڑا غارت ہوا تھا وہ پرتگیزوں نے مقامی ہندوستانی سرداروں کو اکسایا کہ ترکوں کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ سیدی علی نے ان سرداروں کو سمجھایا کہ وہ اور اس کے ساتھی سلطان سلیمان کی رعایا ہیں اور اگر انہیں کوئی نقصان پہنچا تو سلطان اس کا بدلہ ضرور لے گا۔

ہار کے پرتگیزوں نے یہ حجت شروع کی کہ یہ ترک جو یہاں پھنس گئے ہیں کبھی سلطان سلیمان تک واپس نہ پہنچ سکیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری اجازت کے بغیر پرندہ بھی سمندر کے راستے سے پار نہیں جا سکتا۔

اس کے جواب میں سیدی علی نے کہا کہ خشکی کے راستے سے بھی واپسی ممکن ہے۔

اس نے خشکی کے راستے کی تلاش شروع کی۔ یہ راستہ ایسے علاقوں سے ہو کر گزرتا تھا جن میں اس سے پہلے کسی عثمانی ترک نے قدم نہیں رکھا تھا۔ یہاں ان ترکوں کے لیے عجیب عجیب نوادر موجود تھے۔ باتیں کرتے ہوئے طوطے منہ چڑاتے ہوئے بندر جو اپنی گردنوں پر اپنے بچوں کو اٹھائے پھرتے اور جنگلی بیل جو اپنی زبان سے انسان کی کھال اتار سکتے تھے۔

وہ عظیم الشان دریائے سندھ تک پہنچے جہاں ایک سردار نے اس ترک فوج کو تائید غیبی جانا اور یہ یقین کیا کہ یہ سچ مچ ایک ایسی بحری فوج کا ایک حصہ ہیں جن کا بیڑا غرق ہو چکا ہے۔ یہاں سیدی علی کے ساتھ سپاہیوں نے ہندی نوابوں کے ساتھ جنگ میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ اس مقامی لڑائی میں ان کے ہتھیار چھن گئے اور وہ چوری سے ایک کشتی دریا کے راستے بھاگ نکلے۔ اور ایک دسردار نے ایک اچھا گھوڑا دو اونٹ ایک خیمہ اور زادراہ سے ان کی مدد کی۔

سلطنت مغلیہ میں سیدی علی کی فراست کی وجہ سے اس کا پرتکلف استقبال کیا گیا کیونکہ اس سلطنت کے لوگ آل عثمان کے بادشاہ کے نام سے واقف تھے۔ اظہار

تشکر میں سیدی علی نے دو فی البدیہ قصیدے سنائے لیکن مغل شہنشاہ ہمایوں کے دربار میں اسے ایک شاہی جنتری کے لیے سورج گرہن اور چاند گرہن کا حساب لگانے کے لیے روک دیا گیا۔

اس نے روانگی کی بہت اجازت چاہی اور عرض کیا کہ میری واپسی ضروری ہے تا کہ میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں اس مہم کا احوال وحساب پیش کروں۔ اس نے اور قصیدے لکھے لیکن اس کی درخواست منظور نہیں کی گئی۔

جب شہنشاہ ہمایوں کا انتقال ہوا تو اس کو موقع ملا کہ افراتفری کے عالم میں نکل کر اپنا راستہ لے۔ اس نے اہل دربار کو مشورہ دیا کہ ابھی چند روز شہنشاہ ہمایوں کی موت کی خبر پوشیدہ رکھیں بلکہ لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ کچھ ہی روز میں جہاں پناہ عزم سفر فرمانے والے ہیں۔ اس بہانے سیدی علی نے خود شمال کی طرف روانی کی اجازت چاہی تا کہ وہاں شہنشاہ ہمایوں کے سفر کی افواہ پھیلائے ابھی وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ نئے شہنشاہ نے اسے واپس بلا بھیجا یہ نیا مغل شہنشاہ اکبر تھا دربار میں دوبارہ حاضر ہو کر سیدی علی نے شہنشاہ ہمایوں کا مرثیہ لکھ کر اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اکبر کو یہ مرثیہ پسند آیا اور ان کشتی شکستہ سپاہیوں اور ملاحوں کو رخصت کی اجازت مل گئی۔

اب وہ دریائے کابل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ یہاں جنگلی بیل بہت کثرت سے پھرتے تھے اور سیدی علی کا بیان ہے کہ گاؤں میں ناچنے والی طوائفیں بہت تھیں۔ یہاں سے وہ افغانستان پہنچے۔

یہاں سے سیدی علی نے اپنا راستہ دل دیا ہوگا کیوں کہ اس کے بعد وہ سمرقند پہنچا

جہاں ازبکوں کی حکومت تھی۔ چونکہ وسط ایشیا کے پہاڑوں علاقوں میں کوئی نہ جانتا تھا کہ ملاح لوگ کون اور کیسے ہوتے ہیں۔ اس لیے سیدی علی اور اس کے ساتھیوں نے زائرین کا بھیس بدلا اور ایک درگاہ کی زیارت کی جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہاں حضرت دانیال کا مزار ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ اس ساری سیاحت میں اسے کونسا ملک پسند آیا تو اس نے جواب میں ایک شعر پڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ غریب الوطنی میں انسان جنت کا خیال نہیں کرتا۔ اپنا وطن یاد کرتا ہے۔ حب وطن از ملک سلیماں خوشتر۔

اس غریب الوطن کو سمرقند میں کچھ اور عثمانی ترک ملے اور ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ سلطان سلیمان نے ازبکوں کی مدد کے لیے ینی چیریوں کا ایک دستہ بھیجا۔ ان سپاہیوں نے سیدی علی کو فوراً پہچان لیا۔ کہ وہ سلطان کے عالیشان بیڑے کا اعلیٰ افسر ہے۔ ازبک سرداروں نے اسے دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ لڑائی میں شامل ہو جائے اور اسے بخارا کی سرداری کی پیش کی۔ سیدی علی نے کہا کہ میں عثمانی بادشاہ کا ملازم ہوں بہتر یہ ہے کہ میں ازبک سرداروں کے خطوط اور عرضیاں سلطان کی خدمت میں پہنچا دوں۔

اسے بتایا گیا کہ دشت میں خونخوار شیر ہیں اور راستے میں ایک اور اجنبی قوم کے لوگ حائل ہو گئے ہیں جو روسی کہلاتے ہیں۔ یہ بحیرہ خزر تک پہنچ کر درمیان کے علاقے پر قابض ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ اب بھی واپس لوٹ آؤ۔

اس کے لیے سیدی علی تیار نہ ہوا۔ اس نے ازبک سرداروں کے خطوط لیے اسے

وطن پہنچنے کی تڑپ تھی اس لیے اجنبی روسیوں کے علاقے سے گزرنے کا خیال ترک کر کے اس نے قزل قم کے اس پار خزر کے جنوب کا رخ کیا۔ یہاں اسے ایران سے ہو کر گزرنا پڑا۔ اس زرمین میں اس زمانے میں ترکوں سے بڑی عداوت تھی۔ پھر بھی چکر کاٹ کے وہ فردوسی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوا۔ شاہ طماسپ نے اسے جرح کرنے کے لیے قفقاز کے پہاڑوں میں پکڑ بلایا۔ سیدی علی نے اپنے معزبان کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا جو شاہ طماسپ کو بہت پسند آیا۔ شاہ نے اس سے پوچھا کہ سیاحت میں سب سے زیادہ کون سا شہر پسند آیا۔ اس نے جواب دیا ''استنبول''۔

شاہ طماسپ نے تعجب سے پوچھا ''استنبول کیوں؟''

اس نے جواب دیا ''اس لیے کہ دنیا میں اور کوئی شہر استنبول کا جواب نہیں کوء ملک ترکوں کے ملک جیسا نہیں کوئی فوج ترکوں کی فوج کے برابر نہیں کوئی بادشاہ ترکوں کے بادشاہ کا ہمسر نہیں''۔

لیکن اسے ایران سے باہر نکلنے کی اجازت آسانی سے مل گئی۔ جب وہ پہاڑوں کے اس پار اترا تو کچھ عرصے بعد بغداد کی مسجدوں کے نیلے گنبد نظر آنے لگے اب اس نے عرصہ کے بعد ترک علاقے میں قالین پر بیٹھ کر ترکوں کے ساتھ پھلوں کا مربا کھایا اور ٹھنڈا قہوہ پیا اور ان لوگوں کی باتیں سننے لگا جنہیں شاہ زریں سے نکلے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہوا تھا۔

اب استنبول کی جانب سفر کرتے کرتے اس نے ایک سفر نامہ تصنیف کیا جس کا

نام آئینہ شش جہت رکھا۔ جب وہ ینی چیریوں کی صفوں کے درمیان سے گزرتا ہوا چنار کے درختوں کے سایے میں سلطان سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے یہ سفر نامہ اس کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ اس کا بیڑا ٹکرا کر غرق ہو گیا ہے۔ اس لیے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی۔

سرائے باب علی میں سب سمجھنے لگے تھے کہ سیدی علی کب کا سمندر میں ڈوب کر مر چکا اس کی جگہ ایک اور سردار کورہوڈس سے مقابلہ کر کے مصر کا امیر البحر مقرر کیا جا چکا تھا۔ لیکن سلیمان نے حکم دیا کہ تین سال کی بقایا تنخواہ اس امیر البحر اور اس کے ساتھیوں کو ادا کی جائے اور اس جہاں گشت خادم کو دیوان میں اپنے قریب سلطان نے ایک بڑی عزت کا مقام بخشا۔

اس شام کو سیدی علی نے شاخ زریں میں غروب آفتاب کا منظر دیکھا۔ غروب آفتاب کی روشنی میں لنگر انداز کشتیوں کے مستول چمک رہے تھے۔ اسے بڑی راحت کا احساس ہوا اور اس نے لکھا کہ اصلی خیر سکون و قناعت میں مضمر ہے حب جاہ میں نہیں۔

سیدی علی کے سیاحت نامہ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ سلیمان کو اس کا کتنا سخت رنج تھا کہ اس کا بیڑا پرتگالیوں کو گوا سے نکال باہر نہ کر سکا۔ یہ آخری مرتبہ تھی کہ اس نے مشرق کی طرف یورپ والی کو بحری پیش قدمی روکنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن میڈی ٹرے نین میں اس کے نڈر امیر البحر یورپ کے پرچموں کو کھلے سمندر سے ہٹاتے جا رہے تھے۔ سرائے میں اوگیر بوزبک نے ایک بحری پاشا کی

واپسی کا منظر دیکھا اور بیان کیا کہ یہ پاشا اس معرکہ کی خبر دینے آیا تھا جب کہ دراگوت اور پیالی پاسا نے عظیم ہسپانوی بیڑے کو خواب آلودیر با کی جھیل میں پھانس کر تباہ کر ڈالا تھا۔

بوزبک بیان کرتا ہے کہ پیالی پاسا نے ایک جنگی کشتی اس بحری فتح کی نوید دینے کے لیے روانہ کی ہے۔ اس کشتے کے پیچھے پیچھے ایک صلیبی پرچم پانی میں ڈوبتا چلا آ رہا ہے۔ (دراصل یہ ہسپانوی پرچم تھا) جب یہ جنگی کشتی بندرگاہ میں داخل ہوئی تو ترک آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے تھے۔ بہت سے لوگ میرے دروازے پر جمع ہو گئے اور میرے ملازموں سے مذاق مذاق میں پوچھنے لگے۔ کہ ہسپانوی بیڑے میں ان کے کوئی رشتہ دار تو نہیں تھے اگر تھے تو وہ بہت جلد گرفتار ہو کر آ جائیں گے اور تم انہیں دیکھ سکو گے۔''

جب یہ ظفریاب بیڑا مرکز سرائے کے پاس پہنچا تو رات گزارنے کے لیے باہر ہی ٹھہر گیا تا کہ دن کو شان و شوکت سے بندرگاہ میں داخل ہو۔

سلیمان دالان کے نیچے اتر کے بندرگاہ کے قریب اپنے باغیچے میں جا پہنچا تا کہ قریب سے اپنے بیڑے کو آتا دیکھ سکے اور ان عیسائی افسروں کو دیکھے جو گرفتار ہو کے آئے تھے۔ امیر البحر کی کشتی کے عرشے پر قیدیوں میں ڈان الوارو دے ساندے اور سسلی اور نیپلز کے جنگی جہازوں کے کپتان تھے (ان میں تھونیگا ای رے کے زینس بھی تھا جو بعد میں ہالینڈ کا وائسرائے بن کے زیادہ نیک نام نہیں ہوا) گرفتار شدہ جنگی جہازوں کے مستول اور بادبان اکھاڑ دیے گئے تھے۔ اور انہیں محض ڈھانچوں

کی طرح کھینچا جا رہا تھا۔

جن لوگوں نے فتح وظفر کی اس ساعت میں سلیمان کا چہرہ دیکھا ہے انہیں اس کے انداز میں بے جا فخر و شادمانی کے ذرا بھی آثار نظر نہیں آئے میں خود یقینی طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ دو روز بعد جب میں نے اسے مسجد جاتے ہوئے راستے میں دیکھا تو اس کے چہرے کا انداز نہیں بدلا تھا۔ اس کے سخت بشرے پر ہمیشہ کی طرح افسردگی جھلکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس فتح کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور اس کی بحری فوج کی اس حیرت ناک کامیابی پر اس کوئی تعجب یا خاص خوشی نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان پیر مرد کا دل اپنی خودی میں اس قدر جذب تھا کہ وہ تقدیر کی ہر بلندی اور پستے کو آزمانے اور سہنے کے لیے تیار تھا۔ اس دن کے جشن فیروزی و نصرت پر بھی اس نے کسی خاص مسرت کا اظہار نہیں کیا۔

نیپلز کے جنگی جہازوں کا شاہی پرچم جس پر شاہ ہسپانیہ کا نشان اور مقدس سلطنت روما کے شہنشاہی شاہین کا نشان تھا۔ ایک ایسے ترک افسر کے ہاتھ لگا تھا جس سے میں ذاتی طور پر واقف تھا جب میں نے یہ سنا کہ وہ اس پرچم کو سلطان سلیمان کی خدمت میں پیش کرنے والا ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس پرچم کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کروں گا اس کا تصفیہ بڑی آسانی سے ہو گیا اور میں نے اس افسر کو دو ریشمی قبائیں تحفتاً بھیج دیں اس طرح میں نے چارلس پنجم کے عظیم الشان شاہی نشان کے پرچم کو دشمن کے ہاتھ نہ لگنے دیا ورنہ وہ اس شکست کی دائمی یادگار کے طور پر دشمن کے پاس رہ جاتا"۔

آخری فیصلے کے لیے پیش قدمی

لیکن وہ وقت ایسا تھا کہ سلیمان کے اپنے پرانے دشمن چارلس کے پرچم کے ملنے کی بھی کوئی خاص خوشی نہ ہوتی۔ اس کے بعد جو گرمیاں آئیں ان میں سلیمان نے تیسرے صحن کے قریب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آخری مرتبہ مشرق کی جانب روانہ ہوا۔

اس کے آگے آگے سوار فالتو گھوڑوں کو باندھے لیے جا رہے تھے اس کی رکاب کے ساتھ ساتھ ہرکارے دوڑتے چلے جاتے تھے۔ ان کے پیچھے اس کے محافظ دستے کے سواروں کی کلغیاں ہل رہی تھیں۔ وہ چام لی جا کے قبرستان کے قریب سے ہو کر گزرا جہاں مردے قبروں میں قیامت کے منتظر تھے۔ بلندی پر پہنچ کر وہ مڑا تو اس کے آگے بحیرہ مارمورا کا نیلا پانی لہرا رہا تھا۔ پلٹنے میں اسے تکلیف ہوتی تھی اور وہ اس تکلیف کی وجہ سے وہ ایک آہستہ خرام کا بارہ گھوڑے پر سوار تھا۔

وہ سوار چلا جا رہا تھا اور اس کے دل میں تلخی کا زہر تھا۔ سرائے میں اس کی بیٹی مہر ماہ نے نت کر کے بایزید کے لیے جان کی امان مانگی تھی۔ اس کی آواز بھی روکسے لانا کی آواز کی طرح سریلی تھی۔ وہ اسے بانسری پر راگ سنایا کرتی تھی۔ مگر اب اسے اپنی بیٹی مہر ماہ پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ عورت قمری کی طرح خوش کرنا جانتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی منفعت حاصل کرے۔

اس کا شوہر رستم جو بیمار تھا اور عموماً خاموش رہا کرتا تھا اس نے بھی یہی عرض کی تھی

کہ سلطنت کی امید محض بایزید کے لیے وابستہ ہے لیکن بایزید کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟

سلیمان نے یہ سوچنے کی کوشش کی کیا فیصلہ مناسب ہوگا۔ دنیا سے نیکی کا وجود مٹ چکا تھا۔ صرف یہ سڑک کے کنارے پن چکیاں چل رہی تھیں اور اناج سے لدی ہوئی غلے کی گاڑیاں چر چر کرتی چلی آ رہی تھیں۔ اس سے اتنا تو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک میں اناج افراط سے ہے یہی بہت غنیمت تھا۔

کاش اسے کہیں چین مل سکتا۔ اس عرب نے چارلس کے متعلق کیا اطلاع دی تھی؟ یہ کہ وہ ہسپانیہ کے ساحل پر ایک خانقاہ میں دنیا کے مخمصوں سے اکتا کر عزلت گزیں ہو گیا ہے۔ یہ کہ چارلس اپنی مرضی سے تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا ہے اور اپنے ساتھ وہ کچھ منتخب تصویریں کچھ قیمتی گھڑیاں لیتا گیا تھا اور اب یوسٹے کی خانقاہوں میں وہ راہبوں کی دعائیں اور مناجاتیں سنا کرتا تھا۔

اس عرب نے یہ اطلاع دی تھی کہ چارلس کے نوکروں نے اسے یہ حکم دیا تھا کہ اگر ترکوں کا بیڑا ہسپانیہ کے ساحل پر حملہ کرے تو اسے جگا دیں۔ لیکن اسکے نوکروں نے اس خیال سے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی کہ سکرات کے عالم میں اسے اس خبر سے اذیت پہنچے گی۔ سلیمان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ چارلس اپنا چٹورپن کیوں نہیں چھوڑتا اب بھی طرح طرح کا خنزیر کا گوشت اور مچھلیاں برابر کھاتا چلا جاتا ہے۔ شراب کی دھت بھی کسی طرح نہیں چھوڑتا۔ طبیبوں کا بیان تھا کہ اس طرح وہ موت کو دعوت دے رہا ہے..... سلیمان کو فخر و غرور کے عالم میں یاد آ گیا کہ مقدس سلطنت

روما کا نیا شہنشاہ فریڈرک جینڈا اسے سالانہ خراج ادا کرتا ہے۔

یورپ کا دوسرا تاجدار فرانسس جو اتنے جھوٹے وعدے کیا کرتا تھا' چارلس سے پہلے ہی راہی ملک عدم ہو چکا ہے۔ اپنے پیچھے مسلسل جنگ کے باعث وہ فرانس کو خراب و خستہ حال میں چھوڑ گیا تھا اور اس کا بیٹا ایک ٹورنمنٹ کے کھیل میں ایک نیزے سے زخمی ہو کے مر گیا...... اب بایزید کی وجہ سے شاہ طماسپ سے جنگ چھیڑنا حماقت کی بات ہوگی۔

یہ بات عجیب تھی کہ یورپ کے اس کے سارے ہم عصر تاجدار مر چکے تھے اور وہ زندہ تھا۔ ازابیلا پولینڈ کی ڈری سہمی ہوئی لیکن شاہانہ رعب داب رکھنے والی شہزادی تھی مر چکی تھی۔ اس کا بیٹا جان اب بڑا ہو چکا تھا اور تخت نشینی کا منتظر تھا اسی طرح اگر مصطفےٰ زندہ ہوتا تو ایک دن تخت نشین ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ جان ایل ہنگری پر بہت مہربان ہے۔ وہ اپنے دربار میں ہر فرقہ کے لوگوں کو پناہ دیتا تھا' جن میں لوتھر اور کالوں کی پیروی بھی شامل تھے...... اور سلیمان ھراماسیہ کی طرف چلا جا رہا تھا' جہاں مصطفےٰ نے وفات پائی تھی۔

ہاں جان بچپن میں بہت کچھ بھگت چکا تھا۔ اب بڑا ہو کے وہ دوسروں سے رواداری کا سلوک کرنا سیکھ گیا تھا۔ اکے دربار میں دریائے ساوے پر لکڑی کے تختوں پر بہتے ہوئے پناہ گزین آتے اور ان جزیروں پر آباد ہو جاتے جن پر اب سلیمان کی حکومت تھی۔ کچھ ہی عرصہ پہلے سلیمان نے نئے پاپائے روم کو خط لکھا تھا۔ اس نے باب علی کے دیوان کے طرز تحریر کے مطابق اس کو یوں مخاطب کیا تھا ''عیسیٰ مسیح کے

امام اعظم و برتر سردار رومۃ الکبریٰ کی خدمت میں۔ خلد اللہ ملکہ وسلطنیہ۔

سلیمان نہیں جانتا تھا کہ پاپائے اعظم کو مخاطب کرنے کے لیے یہ القاب مناسب ہیں یا نہیں۔ سلیمان سوچتا رہا کیونکہ اس عرصہ تک اس کے خط کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اس نے اس خط میں معمولی سی درخواست کی تھی یہ کہ چند یہودیوں کو رہا کر دیا جائے جو پاپائے روم کی مقبوضہ بندرگاہ انکونا میں گرفتار کیے گئے تھے۔ اور جن پر بڑی تکلیفیں عائد کی گئی تھیں۔ یہ یہودی سلیمان کے دارالخلافت کے رہنے والے تھے۔

بالآخر جب اس خط کا جواب آیا تو اس میں یہودیوں کا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہ جواب زبانی تھا۔ یورپ کے ایک کارڈینل نے رستم کی گوش گزاری کے لیے کہلا بھیجا تھا کہ سلطان کی ساری فوج اور خصوصاً بحری طاقت نیپلز اور سسلی پر حملہ کرے جو ہسپانویوں کے قبضے میں ہیں اور ہسپانوی پاپائے روم کے دشمن ہیں۔

ایک زمانہ ایسا ہی تھا کہ یہ پیغام سن کر سلیمان کو ہنسی آتی تھی۔ اب سسلی اور نیپلز اور المانیہ اور ان سب ممالک کے تخت و تاج سلیمان کے لیے اتنے ہی بے معنی تھے جتنے بیرام کی عید کے جشن کے روز قلابازیاں کھاتے ہوئے بونے مسخرے اس کی آنتوں میں ہمیشہ تکلیف رہتی تھی۔ اس کے دل میں کسک رہتی۔ اب یہ سب دنیاوی کھیل بے اصل معلوم ہوتے۔

اسکے راستے میں فرڈی نینڈ کا سایہ حائل تھا۔ حالانکہ فرڈی نینڈ کو اس نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ مقدس رومۃ الکبریٰ کے اس نئے شہنشاہ نے صلح بہت

ضروری تھی۔ کم از کم مہنوں کے لیے تا کہ اسعر صہ میں وہ ایرانیوں کو بھی جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کر سکے۔ صرف چھ مہینے کے لیے ای اور صورت یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح بایزید کو واپس بلا لیا جائے۔

خشک سڑک پر گرد اڑ رہی تھی۔ اور اس کے ہمرکاب ہرکارے گرد سے اپنے منہ پھیر لیتے۔ سلطان پر سخت غصے اور غضب کا عالم طاری ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرکاروں سے آگے نکل گیا اور ایک ہرکارے کو آواز دی کہ قاصدوں کے آغا کو حاضر ہونے کا حکم دے۔

یہ ہرکارہ فوراً سہم کے جانوروں کی سی تیزی سے دوڑتا ہوا روانہ ہوا۔ جب قاصدوں کا آغا سلطان کی رکاب کے قریب پہنچا تو اسے حکم ہو کہ قسطنطنیہ واپس جائے اور شہنشاہ فرڈی ننینڈ کے سفیر کو اماسیہ حاضر ہونے کا حکم دے۔ اس قاصد کو جو پستہ قد تھا چڑیوں اور سانپوں کے پکڑنے کا بڑا شوق تھا۔ یہ سفیر اوگیر بوزبک تھا۔ حکم تھا کہ یہ ایران کے قاصدوں کی باریابی سے ذرا پہلے پہنچ جائے تا کہ ایرانی قاصدوں کے استقبال کا حال دیکھ کر اسے سبق ملے۔ سلیمان نے یہ نہیں بتایا کہ بوزبک فوراً سلسلہ جنبانی کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

اس طرح بوزبک کو عید بیرام کی نماز باجماعت کا منظر دیکھنے کا یا آزادی سے ترکی کے لشکر میں ادھر ادھر پھرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ان ایام میں اماسیہ پہنچا۔ جب بایزید کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا اوان واقعات کو اس نے اپنی زبان سے یوں بیان کیا ہے:

''سلطان ایک نچلی سی چوکی پر تخت نشین تھا اور چوکی پر بڑے قیمتی قالینوں کا فرش تھا۔ تیر و کمان اس کے قریب پڑے ہوئے تھے۔ اس کی صورت سے اب پیری کا اظہار ہونے لگا تھا۔ لیکن اس کے رعب و داب میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ محتاط رہا' اس کے سوا اس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ اپنی بیوی کو بہت زیادہ چاہتا تھا اور اس کے اثر سے اس نے مصطفےٰ کو قتل کرنے میں بڑی جلد بازی سے کام لیا۔ جب سے اس عورت سے اس کا نکاح ہوا اس نے اور کسی عورت سے آشنائی نہیں کی۔

''اپنے مذہب کے فروغ میں وہ بہت راسخ العقیدہ ہے اور مذہب کی تبلیغ بھی اسے اتنی ہی فکر ہے جتنی اپنی سلطنت کی توسیع کی یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کی عمر ساٹھ سال ہے اس کی صحت اچھی خاصی ہے حالانکہ اس کے چہرے کی بدرنگی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اندر سے کوئی بیماری اسے کھائے جا رہی ہے۔ یہ افواہ بہت مشہور ہے کہ اس کی ران پر ایک ناسور ہے جو لاعلاج ہے۔ یا شاید سرطان کا پھوڑا ہے۔ جب وہ کسی ایسے سفیر کو متاثر کرنا چاہتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ بیرونی سلطنتیں اگر اسے صحت مند اور طاقت ور جانیں گی تو اور زیادہ خوف کھائیں گی۔ مجھے اس کا پتا اس وقت چلا جب اس نے مجھے آخری بار حکم دیا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا.....

سلطان کے دربار میں لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ لیکن اس پورے مجمع میں ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جس نے اپنی بہادری یا اپنی قابلیت کی بنا پر ترقی نہ کی ہو۔ ترک نسب

کے قائل نہیں۔ ایک دوسرے کے مقابل دربار میں سبقت لے جانے کے لیے یہ آپس میں نہیں جھگڑتے۔ ترکی میں ہر شخص کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھ میں ہے اور اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اسے بنائے یا بگاڑے۔

ترک اس کے قائل نہیں کہ قابلیت اور فضیلت کے جوہر باپ سے بیٹے میں منتقل ہوتے ہیں جیسے اگر کوئی موسیقی یا ریاضی کا استاد ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اس کا بیٹا بھی ان فنون میں عالم نکلے۔ یہ صفات اور فضیلتیں کچھ تو خدا کا دین سمجھی جاتی ہیں' اور کچھ اعلیٰ تعلیم و تربیت اور کچھ اپنی سعی کا نتیجہ..... یہی وجہ ہے کہ ترک ہر مہم میں کامیاب ہوتے ہیں.....

کاش آپ میرے ساتھ کھڑے ہوئے اس ہجوم کو دیکھتے جن کے سروں پر سفید ریشمی عمامے بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے لباس کی خوش نمائی اور نفاست دیکھنے کے قابل ہے..... میں نے اس سے زیادہ خوش نما منظر بہت کم دیکھا ہے..... مجھے حیرت تھی کہ اس مجمع پر خاموشی کیسی طاری ہے اور ان لوگوں میں کتنا نظم و ضبط ہے..... کہیں شور و غل نہیں' مدھم آوازوں کا شور نہیں کہیں مجمع میں گڑبڑ نہیں اور درباروں سے دور نی چیریوں کی ایک صف ایستادہ تھی۔ مجھے یہ اندازہ کرنے میں کچھ دیر لگی کہ یہ انسان ہیں یا مجسمے بالآخر مجھے اشارہ کیا گیا کہ میں سلطان کو آداب بجا لاؤں۔ جب میں نے سلام کے لیے سر جھکایا تو میں نے سب کو اپنی طرف منہ پھیر کر سلام کا جواب دیتے ہوئے دیکھا۔ دربار سے واپس ہوتے ہوئے میں نے سلطان کے محافظ دستے کے سواروں کو اپنے اپنے خیموں میں واپس ہوتے ہوئے دیکھا۔

اور یہ منظر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا ان سواروں کے گھوڑے بڑے شاندار صاف ستھرے اور آراستہ تھے۔

''ایرانی سفیر بڑے نفیس تحائف لیے ہوئے حاضر ہوا بڑے مشہور کاریگروں کے بنائے ہوئے قالین، خیمے جن کی دیواروں پر رنگین نمدے آویزاں تھے۔ لیکن ان تمام تحائف میں ممتاز قرآن مجید کا ایک نسخہ تھا۔ صلح کی شرائط فوراً سے سنا دی گئیں مقصد یہ تھا کہ ہم پر اور زیادہ دباؤ ڈالا جا سکے۔ کیونکہ ہمارے متعلق یہ رائے تھی کہ ہماری سلطنت (آسٹریا) زیادہ شورش پسند ہے۔ ہم پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ایران سے درحقیقت صلح ہو گئی۔ شاہ ایران کے سفیر کو طرح طرح کے انعام واکرام دیے گئے۔ ترکستانیوں' کی توقیر کرنے اور دشمنوں کی تذلیل کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز ہو جاتے ہیں۔ وزیر ثانی علی پاشا نے ایرانی سفیر اور اس کے ساتھیوں کو اپنے باغات میں ایک بڑی پر تکلف دعوت پر مدعو کیا۔ ہم اپنے خیمے سے اس دعوت کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ہاں میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ علی پاشا ڈالمیشی نسل کا ہے۔ بڑا ہی شریف آدمی ہے اور آپ کو ایک ترک کے متعلق یہ سن کر شک ہو گا کہ دراصل وہ بڑا ہی حساس دل اور نرم دل ہے۔

چونکہ ترکوں نے ایرانیوں سے صلح کر لی تھی اس لیے ہمارے لیے اچھی شرائط پر صلح ناممکن تھی۔ ہمیں صرف چھ مہینے کے لیے عارضی صلح کرنے میں کامیابی ہوئی۔ سلطان کا خط ایک زریں لفافے میں ملفوف میرے حوالے کیا گیا۔ اور میں نے رخصت کی اجازت چاہی مجھے بہت کم اس کی توقع تھی کہ میری سفارت کامیاب ہو

گی۔

''سفر میں مجھے طرح طرح کے برے شگون پیش آئے۔ مجھے ہنگری کی لڑکیوں اور لڑکوں سے بھروے ہوئے کئی چھکڑے ملے جنہیں قسطنطنیہ کے بازاروں میں فروخت کے لیے لے جایا جارہا تھا''۔

اس موسم گرما میں بوزیک قسطنطنیہ واپس ہوا۔ اسے یہ احساس تھا کہ سلطان اور اس کی ترک قوم کسی نامعلوم مقصد کی طرف گامزن ہیں۔ فرڈی نینڈ کے سفیر نے جان لیا تھا کہ اماسیہ میں اسے مرعوب کرنے کے لیے یہ تماشا دکھایا گیا ہے۔ ہر خبر جو اس نے دیکھی تھی یہاں تک کہ سلیمان کے چہرے کی مصنوعی سرخی اس کو دکھانے کے لیے ہی تھی۔ لیکن وہ اس کا مطلب نہ سمجھ پایا تھا۔ وہ یہی سوچ کر خوش تھا کہ چھ ماہ کے لیے صلح حاصل ہوگئی۔

سلیمان کو اس قلیل عرصہ میں صلح قائم رکھنے کی شدید ضرورت اس لیے لاحق ہوئی کہ وہ بایزید کے متعلق اپنا آخری فیصلہ صادر فرمانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

۵۔ مالٹا اور آخری کوچ

ناممکن کام

اگر روکسے لانا نے گل بہار کے بیٹے مصطفےٰ کو قتل کرانے کی سازش نہ کی ہوتی اور اگر اس کا اپنا بیٹا سلیم اتنا ہراساں نہ ہوتا تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ینی چیری اسے سلیم احمق کہتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ وہ چھپ چھپ کر شراب پیتا ہے۔ اور خوشامدیوں اور چاپلوسیوں میں گھرا رہتا ہے۔ اس کی مصاحب یا تو عورتیں تھیں یا کچھ ایسے حریص اور مطلبی لوگ جو اس قابل تھے کہ سلطان انہیں کوئی رتبہ بخشتا یا نظم و نسق سلطنت میں کوئی عہدہ عطا کرتا۔

بوزبک نے یہ افواہیں سن کر لکھا تھا ''سلیم بے حد بداخلاق ہے اس نے کبھی کوئی کار خیر نہیں کیا اور کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا''۔

سلیم تین چیزوں سے ڈرتا تھا اپنے پیرانہ سال باپ کے غصے سے طاقتور گونگوں کے ہاتھ میں جو کمان کی تانت ہوتی اس سے کیونکہ اس سے اس کا گلا گھونٹا جا سکتا تھا۔ اور اپنے بھائی کی قابل محبت ذات سے جسے لوگ سلطان سلیمان کی ہو بہو شبیہ کہا کرتے تھے۔ بزدل اعابی میں جس طرح مکاری اور ہوشیاری ہوتی ہے اسی طرح کی مکاری سے اسنے اپنے باپ کو لکھا تھا میں ایسی ہر دل عزیزی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا جس کی وجہ سے مجھے عام بہت زیادہ چاہنے لگیں اور مجھے اپنے والد سلطان المشرکین کا رقیب بننا پڑے اس نے لکھا کہ جہاں پناہ کی محبت کے سوا میرا کہیں اور ٹھکانا نہیں اور ہر شخص مجھ سے نفرت کرتا ہے''۔

قریب قریب یہی الفاظ میں روکسے لانا نے اپنے فربہ اندام بیٹے سلیم کی تائید اور طرفداری کیا کرتی تھی۔ اس کے جواب میں سلیمان نے اپنے آپ پر ترس کھانے والے بیٹے کے یہ کہہ کر دلاسا دیا کہ زیادہ فکر نہ کرو اور احکام قرآنی کے بموجب زندگی بسر کرو۔ اس پر سلیم کی طرف سے خوشامدیوں اور سازشیوں نے جو خط لکھے ان میں ایک اور خطرے کا اظہار کیا گیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی ذات کے لیے پریشان نہیں ہوں۔ مجھے اپنے والد ماجد کی زندگی کی فکر ہے۔ بایزید بھیس بدل کر قسطنطنیہ میں سرائے کے ینی چیریوں سے باتیں کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب سلطان سواری کے لیے برآمد ہوں تو سازشی ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں۔

سلیمان نے اپنے بیٹے کی اس اطلاع کی طرف کوئی توجہ نہ دی اس نے روکسے لانا کے دونوں بیٹوں کی یاددہانی کی کہ ان کا کام محض یہ ہے کہ جو فرائض ان کے سپرد کیے گئے ہیں ان کی سختی سے پابندی کریں۔ لیکن وہ یہ نہ بھول سکا کہ بایزید ینی چیریوں میں مقبول ہوتا جا رہا ہے اور ینی چیری سلیم کو اصطبل کا بیل کہنے لگے ہیں۔ سلیم کی یہ شکایت بھی صحیح تھی کہ سخت مزاج رستم اسے شرابی اور سلطنت کا نا اہل سمجھتا تھا۔ رستم جس کی صحت کام کی کثرت کی وجہ سے گرتی جا رہی تھی بے شک یہی سمجھتا تھا اور اس کا کھلم کھلا اظہار کرتا تھا۔

دونوں بیٹوں کے درمیان رقابت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اور دوسرے ملکوں کے سفیر اس قدر غور سے اس صورت حال کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ سلیمان کے دونوں بیٹوں کو

سلطنت کے دو صوبوں کا وزیر بنا کے ایک کو مشرق کی سرحد پر بھیجا اور ایک کو مغرب کی سرحد پر تا کہ دونوں شہروں کی افواہوں اور سازشوں سے دور رہیں۔ بوزبک نے لکھا ہے ''وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ساری دنیا کی نگاہیں اس کے دونوں بیٹوں کی باہمی رقابت پر جمی ہوئی ہیں''۔

شاید وہ بایزید کا امتحان کرنا چاہتا تھا یا شاید اس نے زیادہ خطرناک صوبہ پر اسے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ زیادہ طاقتور ہے۔ بایزید نے اس خدمت کو قبول کرنے سے فوراً عذر کیا۔ کیونکہ اماسیہ مشرقی سرحد پر واقع تھا اور دارالسلطنت سے بہت دور تھا یہ مصطفےٰ کا مستقر بھی رہ چکا تھا اور اس کی بغاوت کی یاد ابھی تک اماسیہ کے پہاڑوں میں باقی تھی۔ غالباً بایزید کی شکایت کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ اس کا تقرر اماسیہ پر کیا گیا ہے بلکہ اصلی وجہ یہ تھی کہ سلیم کا تقرر میگنیشیا پر کیا گیا تھا جہاں کا گورنری خود سلیمان نے ولی عہدی کے زمانے میں کی تھی۔ اور یہاں سے چار دن کی مسافت پر قسطنطنیہ تھا۔ جہاں پہنچ کر وہ تخت نشین ہوا تھا اس کی یاد ابھی باقی تھی۔ اس حکم سے معلوم ہوتا تھا کہ بایزید کے مقابلے میں سلیم کی حمایت کر رہا ہے۔

سلطان دراصل یہ کر رہا تھا کہ اس کے بیٹوں کی عمر اب چالیس سال کے قریب تھی۔ اس کی اپنی عمر ستر سال کے قریب تھی' اور وہ تھک چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کچھ عرصہ تک اس کے دونوں بیٹے زندہ رہیں اور خاموش رہیں تو اس اثناء میں ایک غیر شخصی طاقت اور زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد سلطنت عثمانیہ کو سنبھال لے گی۔ یہ غیر شخصی طاقت اس کا نظم و نسق تھا۔ جواب پہلے کے مقابلے میں زیادہ

طاقتور اور باہنر بن چکا تھا۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ رستم اور کوسولی جیسے مصاحب دماغ عہدہ دار خود بخود بایزید کا ساتھ دیں گے اور بایزید کو سلطان بنائیں گے۔ سلیم کو تو اس بات کا یقین ہو چکا تھا۔

میں اب اپنے فرمان میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں میرے حکم کی تعمیل کرو۔ عدول حکمی کرے گا غدار سمجھا جائے گا'' سلیمان نے بلا کیس جانبداری سے اپنے دونوں بیٹوں کو یہ حکم نامہ لکھ بھیجا۔ اس کے بعد خدا کو جو منظور ہوگا وہی تم دونوں کے درمیان پیش آئے گا۔

چارلس کی طرح سلیمان کسی خانقاہ میں زاویہ نشین نہ ہو سکتا تھا۔ نہ اس کے لیے یہ ممکن تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے دو حصے کر کے دونوں بیٹوں میں بانٹ دے۔ ایک ہی حکمران ہونا ضروری تھا اور سلطنتا کا مقصد ایک ہی تھا۔

سلیمان کا مقصد پورا ہو جاتا لیکن اس میں لالہ مصطفے کی چالاکی حائل تھی۔

لالہ مصطفے یکے بعد دیگرے دونوں بیٹوں کا اطالیق رہ چکا تھا اور ان کے طبائع سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ اگر چہ کہ وہ ہوشیار تھا نظم و نسق حکومت میں اسے ترقی نہیں ملی تھی۔ رستم نے اسے بے کار سمجھ کر برطرف کر دیا تھا اب اس کے پاس تھا کیا جو ہارتا اسنے سلیم کے خوف کو ہوا دینی شروع کی۔ اسے سمجھانا شروع کیا کہ بایزید سلطان کا چہیتا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ اگر اسے اجازت ہو تو وہ بایزید اور سلطان کے درمیان ایسی آگ لگائے جو کسی طرح نہ بجھے اس کے معاوضہ میں لالہ مصطفے نے سلیم سے یہ وعدہ چاہا کہ جب آپ تخت نشین ہوں تو مجھے وزیر بنائیں۔

سلیمان کی نظروں سے بہت دور تھا۔ بڑی احتیاط اور بڑی محنت سے اس نے بایزید کو ورغلانا شروع کیا کہ سلیم اسکی جان کے درپے ہے اسسے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بایزید کو چاہیے کہ وہ اس احمق کو اس قدر مجبور کردے کہ وہ کھلم کھلا مقابلے میں اس کے سامنے آئے۔ اگر اسے غصہ دلایا جائے تو وہ فوراً لڑنے پر آمادہ ہوگا۔ چنانچہ بایزید نے اس کے کہنے پر اپنے بھائی سلیم کو زنانہ کپڑوں کا ایک جوڑا تحفتاً بھیجا۔

اب لالہ موسیٰ نے سلیم کو یہ مشورہ دیا کہ وہ یہ کپڑے ایک شکایت کے رقعے کے ساتھ سلطان سلیمان کے ملاحظے میں پیش کرے۔ یہ جان کر کہ سلطان سلیمان فوراً بایزید کو فہمائش کا خط لکھے گا اس نے کچھ قاتلوں کو بھیج کر سلطان کے قاصد کو راستے میں چپکے سے قتل کرا دیا اور خط ضائع کر دیا گیا۔ اور یہ واردات بایزید کے صوبے میں کی گئی۔ اس مرحلے پر سلطان نے دو اعلیٰ ترین عہدہ داروں یعنی اپنے تیسرے اور چوتھے وزیر کو علی الترتیب میگنیشیا اور اماسیہ بھیجا جہاں اس کے بیٹوں کی فوجیں آپس میں لڑنے کے لیے تیار ہوتی جا رہی تھیں۔

بوزبک لکھتا ہے کہ ''بایزید کی تیاریوں کے متعلق سلطان سلیمان کو اندیشہ تھا کہ یہ خود اس کے خلاف بغاوت کی تیاری ہے۔ پھر وہ بھی بہت عرصہ تک امعاملے کو خاموشی سے ٹالتا رہا۔ یہ ہوشیار پیر مرد یہ نہیں چاہتا تھا کہ تنگ ہو کر بایزید کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو جائے''۔

بھائیوں کے درمیان خانہ جنگی روکنے کے لیے اسنے ایک بڑے ہی سخت گیر ثالث سوکولی کو روانہ کیا (اسی نے فرضی مصطفےٰ کو گرفتار کیا تھا) اس کے ساتھ اس نے نئی

چیریوں اور سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی جمعیت سلیم کے صوبے میں روانہ کی لیکن سوکولی اپنے ساتھ چالیس توپیں لیتا گیا۔ اس نے بایزید کے سائے باب عالی کو کھلم کھلا یہ پیغام بھیجا "میں ہر معاملہ میں اپنے والد ماجد سلطان المعظم کے فرمان کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں بجز اس قضیے کے جو میرے اور میرے بھائی سلیم کے درمیان ہے"۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ لالہ موسیٰ کی سازشی امیدوں سے بڑھ کر تھا قونیہ کے جنوب میں بایزید کے ساتھیوں اور سلیم کی فوج میں جھڑپ ہوگئی۔ سلیم کے ساتھ سلیمان کا بھیجا ہوا دستہ بھی تھا جنہوں نے دیکھا ان کا یہ بیان ہے کہ مولانائے روم کی خانقاہ کے پاس سے گرم آندھی کا طوفان اٹھا اور اس سے بایزید کے ساتھیوں کا چہرہ جھلس گیا معلوم ہوتی تھا کہ خدا کی مشیت یہی تھی کہ چھوٹے بھائی کو جیت نصیب نہ ہو۔ سوکولی کی چالیس توپوں نے حملہ آوروں کو پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن بایزید ذاتی طور پر شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے اور دونوں فوجیں اس کی بہادری پر عش عش کر اٹھیں ۔ بڑی فراخدلی سے اس نے اپنے باپ کو خط لکھا جس میں اپنے قصور کا پورا پورا اعتراف کر کے اپنے آپ کو سلطان کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا۔

اس خط سے سلیمان کے تذبذب اور شک کا خاتمہ ہو جاتا لیکن لالہ موسیٰ نے یہ خط راستے میں پکڑ لیا اور ضائع کر دیا لیکن کسی نہ کسی طرح رستم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی اور رستم نے اس خطرناک صورت حال میں لالہ موسیٰ کے قول و فعل کی نگرانی شروع کر دی۔ لیکن اس اثنا میں ہراساں و پریشان بایزید نے پھر ایسی ہی جذباتی حرکت کی جیسی پہلے کی تھی۔ اس نے جو خط سلیمان کے نام لکھا تھا اس کا جواب نہ

آیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کے عثمانی پرچم کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ اب اگر سلیم کی عیاری سے اسے اس گستاخی کی سزا ملنے والی تھی تو اب اچھی طرح جم کر لڑنا ضروری تھا۔ اس کی طبیعت میں تذبذب قطعاً نہ تھا۔ اس نے تیری سے پہلے تو جتنا روپیہ ہو سکتا تھا امیر تاجروں سے قرض لے کر فراہم کیا اور یہ اعلان کیا کہ وہ اپنے پرچم تلے فوج اکٹھی کر رہا ہے۔

اب وقت بایزید کی اصلی کمزوری یہ تھی کہ اس نے وہ جرات اور شجاعت دکھائی جو سلیمان سے اسے ورثہ میں ملی تھی۔ وہ بڑا نڈر اور فیاض سردار تھا۔ بہت جلد اس کے اطراف میں بہت سے شورش پسند سردار اکٹھا ہو گئے۔ جیسے بھونچال میں خس و خاشاک۔ ترکمان اپنے ریوڑوں کو چھوڑ چھوڑ کر اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آن کر جمع ہو گئے۔ پہاڑوں کے چھاپہ مارنے والے کرد اور مصطفےٰ مرحوم کے پرانے ساتھی۔ اس کے ساتھ بہت سے صاحب دماغ افسر بھی تھے جن کا یقین تھا کہ وہی عثمانی تخت و تاج کا سچا وارث ہے۔

اس کی بغاوت سے مشرقی سرحد پر آگ لگ گئی۔

☆☆☆

بایزید کی موت

سرائے کے باغیچے میں مصطفےٰ کی روح پھر سلیمان کے آگے آئی۔ بیدر رستم نے جو کثرت کار کی وجہ سے بیمار اور لب مرگ تھا لالہ مصطفےٰ کی سازش کا حال بیان کیا اور سلیم کے احتجاج کے باوجود اسے جلاوطن کیا گیا۔

لالہ مصطفےٰ کی کسی کو پرواہ نہیں تھی اصل خوف فوج کا تھا۔ کئی ال کی کوشش کے بعد سلیمان نے اسے امراء کے مسلح دستوں کی بجائے ایک بڑی منظم جارحانہ قوت میں بدل دیا تھا۔ تا کہ جب ضرورت پڑے اسے استعمال کر سکے۔ اب ابراہیم کی طرح کوئی سر عسکر اس عثمانی عسکر کا سپہ سالار نہ تھا۔ کئی سال سے فتح وظفر کا نقارہ نہیں بجا تھا۔ سوار دستوں ترکی بیمارداروں کی تعداد گھٹ چلی تھی۔ اور وہ طاقتور جو پہلے جنگجو ہوا کرتے تھے اب اپنی جاگیروں اور مویشیوں کو پالنے میں وقت صرف کرنے لگے تھے۔

صرف ینی چیریوں اور سپاہیوں کی بنیادی قوت باقی تھی جو ساری سلطنت میں اپنی اپنی جگہ خدمت پر مامور تھی۔ اور جیسا کہ سوکولی نے بجا طور پر اندازہ لگایا تھا بھاری توپ خانے کی طاقت بڑی مضبوط تھی۔

سرائے کے دروازے سے لے کر اماسیہ کی سڑک تک پر ہر منزل پر یہ پرانے جنگجو ینی چیری اپنی شورے کی کڑائیں سنبھالے بہت آزردہ اور پریشان تھے۔ وہ بلا خوف وخطر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے تھے ''ہمیں تیغ کشی کا حکم ملا ہے لیکن کس

کے خلاف اس کے خلاف جس سے اس ملک کی ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ اس کے خلاف جو ہمارے سلطان کی جیتی جاگتی شبیہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سلیمان سلیم کو کیوں ترجیح دیتا ہے جسے عیاشی اور عورتوں سے فرصت نہیں اور جو اس قابل ہے کہ اسے لاتیں مار مار کر کام کاج کے کپڑے پہننا سکھایا جائے..... کیا قونیہ کا معرکہ اس نے سر کیا ہے؟ نہیں اللہ پاک کے ننانوے اسماء کی قسم یہ تو اس آندھی کی وجہ سے ہوا جو درویشوں کی درگاہ سے چلی۔ اور ساتھ ہی بیلر بے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوکولی کے توپ خانے کی وجہ سے.....

آخر بایزید نے قصور کیا کیا ہے جو ہم اس کے خلاف تلوار اٹھائیں؟ زیادہ سے زیادہ اس نے بھی وہی کیا ہے جو یاؤز سلطان سلیم نے کیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار اپنا حق کے لیے لڑ رہا ہے۔ نہیں اس کا تو اتنا بھی قصور نہیں۔ بایزید نے اپنے باپ کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔ وہ تو اپنے باپ کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ نہیں بایزید کے خلاف تلوار اٹھانے کے حکم میں تعمیل کرنا گناہ کبریٰ ہے۔

میدان سے خبریں آنے لگیں۔ کہ کئی دستوں نے کوچ کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ سواروں نے یہ ظاہر کرنے کے لیے یہ خانہ جنگی پسند نہیں سست گامی شروع کر دی۔ سلیمان ان علاقوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔

بیمار رستم نے بوزبک کو بتایا کہ سلطان بھی ینی چیریوں کی بغاوت سے خوف کھاتا ہے۔ اس وقت اگر وہ انہیں سنبھال نہ سکا تو پھر اور کوئی نہ سنبھال سکے گا۔''

اب سلیمان اس کا خمیازہ بھگت رہا تھا کہ اسنے یاؤز سلطان سلیم کی عظیم الشان

جنگی فوج کو منتشر ہو جانے دیا وہ سلطنت میں اس طرح کا نظم و نسق قائم کرنا چاہتا تھا کہ امن و امان قائم کرنے کے لیے فوج کو استعمال نہ کرنا پڑے۔ اب اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ ناممکن بات تھی ۔صوبوں میں پہاڑی علاقوں کی رعایا ابھی تک عزم سے دست بردار نہیں ہوئی تھی۔ ڈالمیشیا کے سرب عیسائیوں کی حیثیت سے اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اور ان کے اور اس کے درمیان والاچیا کے عیسائی تھے۔ کریمیا میں اپنے اپنے قلعوں میں ایشیائی تاتار تھے۔ قفقاز میں گرجستھانی تھے جو بہادر عیسائی تھے۔ اور مشرقی پہاڑوں میں کرد اور ترکمان تھے۔

اس پہاڑی رعایا کے اور اس کے درمیان صرف ایک باریک سا رشتہ تھا۔ ان میں سے بعض کے ساتھ مذہبی تعلق بھی تھا۔ نئی آواز بلند ہو تو ممکن ہے کہ وفاداری بدل جائے یہ وفاداری کبھی بھی گہری نہیں ہوئی تھی۔

قونیہ سے اطلاع آئی تھی کہ مولانائے روم کی خانقاہ کے قریب جو لڑائی ہوئی تھی اس میں جنگجو سپاہیوں کے جسموں ہی نے سوکولی کے حکم کی تعمیل کی تھی ان کے دل بایزید کے ساتھ تھے۔ اندرونی تخت گاہ کے ٹھنڈے سائے میں بایزید کے قاصد کھڑے تھے۔ بایزید نے اپنے والد سے استدعا کی تھی کہ سمندر پار کر کے ایشیا نہ تشریف لائیں بایزید کی لڑائی صرف سلیم سے تھی۔ لیکن اگر سلطان خود تشریف لائے تو سارا ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔

سلیمان نے اس خط کو خاموشی سے الگ رکھ دیا۔ بڑی تلخی سے اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھیوں اور ہم رکابوں نے جان لیا کہ اب سلطان خود بنفس نفیس اپنی

اس فوج کی سپہ سالاری کرے گا جسے کسی جنگ میں شکست نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے کاندھے پر بڑا شدید کرب آمیز درد تھا۔ لیکن وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بہت کچھ سوچ بچار کے بعد اس نے بڑی احتیاط سے تین سوال ای میر منشی کو رنگین کاغذ پر لکھوائے اور رستم نے انہیں غور سے پڑھا اور اتفاق رائے سے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

پہلا سوال سلطان ایک ایسے شخص سے کس طرح کا سلوک کرے جس نے اس کی زندگی میں روپیہ جمع کر کے فوج جمع کی قصبوں پر حملے کیے اور ملک کے امن میں خلل ڈالا۔

دوسرا سوال اس کے مددگاروں کے متعلق سلطان کیا رائے قائم کرے۔

تیسرا سوال ایوں کے متعلق سلطان کیا رائے قائم کرے جو اس کی تائید کرتے ہیں اور اس کے خلاف تلوار اٹھانے سے انکار کرتے ہیں؟

یہ تینوں سوال اس نے لکھوا کر قاضی القضاۃ ابن سعود کے پاس بھیجے مفتی اعظم نے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا شخص بدترین سزا کا مستوجب ہے۔ اس کے مددگار اس لے گناہ گار ہیں کہ انہوں نے شرع کی خلاف ورزی کی۔

اس کے بعد سلیمان نے باسفورس پار کر کے ایشیا کی سرزمین پر قدم رکھا اور اماسیہ روانہ ہوا جہاں بوزبک اس کی خدمت میں کچھ عرصہ بعد حاضر ہوا تھا۔ اس نے سوکولی کو سلیم کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ بایزید کی نئی فوج کا تعاقب کرے۔ یورپ سے عارضی صلح اور ایرانیوں سے باقاعدہ صلح کے بعد سلیمان نے سرحد کے شورش پسند

قبائل اور خصوصاً بڑے بڑے کرد اور گرجستھانی قبائلیوں کے خلاف اپنے ساتھ آملنے اور جنگ کے لیے بھرتی ہونے کا پیغام بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ فوج کی کمان میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ گرمیوں کے مختصر سے موسم میں سرحد پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا بہادر اور نڈر سوکولی بایزید کی فوج کے تعاقب میں جا پہنچا۔ اور بایزید تعاقب سے بچنے کے لیے سرحد پار کر کے اپنے چاروں بیٹوں اپنے حرم اور اونٹوں سے لدے ہوئے ساز و سامان سمیت ایران پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ کچھ بہادر سوار تھے۔ پہاڑی دروں میں انہوں نے سلطان کے سواروں کو پیچھے ہٹا دیا اور کسی نہ کسی طرح شاہ طماسپ کے دربار میں پہنچ گئے۔ شاہ طماسپ نے شاہانہ شان و شوکت سے بایزید کا استقبال کیا۔ اور سوگند کھائی کہ ایران کی سرزمین پر اسے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔

لیکن سرحد پار کر کے بایزید نے دراصل موت کے منہ میں قدم رکھا تھا۔

شروع میں تو وہ جوش کے عالم میں ں اپنی اس کامیابی پر خوش تھا کہ اتنے نڈر سواروں کے ساتھ وہ سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اب وہ شائستہ مزاج طماسپ کا شاہی مہمان تھا وہ دنگلوں اور کئی دعوتوں میں شریک ہوا جہاں بدقسمتی سے اس کے سواروں نے کئی ایرانی پہلوانوں کو پچھاڑ دیا۔ اس نے سلیمان کو خط لکھا کہ شاہ طماسپ مجھ سے پدرانہ شفقت سے پیش آیا ہے۔

چند مہینے تک مغرب قریب کے دربار تبریز پر آنکھیں جمائے رہے جہاں سلطان المعظم کے فرزند نے طماسپ صفوی کے دربار میں پناہ لی تھی۔ اہل وینس کے دلوں میں ایک مہم کی امید جاگ اٹھی کہ ایرانی پھر سے ترکوں کو ایشیا کی جنگ میں

گھسیٹ لیں گے

طماسپ نے فوراً ہی اپنے پناہ گزین کی موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ سلیمان کو سلام کہلا بھیجنے کے بہانے اس نے یہ پیغام دے کر قاصد روانہ کیے کہ سرحد کے صوبے مثلاً ارض روم اور اس کے پاس کا پہاڑی علاقہ اور دجلہ اور فرات کے درمیان بغداد کا علاقہ بایزید کو عطا کر دیا جائے (اس طرح پھر سے ان صوبوں کے ایران کے زیر اثر آ جانے کی توقع تھی)۔

سلیمان نے اس قسم کی تحریکوں پر دھیان تک نہ دیا۔ جب بایزید نے ترک سرزمین کو چھوڑا تو سلطان کا ارادہ مصمم ہو گیا۔ اس ثانیہ سے بایزید اس کا بیٹا نہیں رہا تھا محض باغی رہ گیا تھا۔ یہ معمر تاجدار اپنے قریبی عزیزوں کی غداری برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مزید برآں سوکولی سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک سارے لشکر میں اب یہی احساس رہا تھا کہ تبریز میں پناہ لے کر بایزید نے اپنے ترکہ اور تخت و تاج پر اپنا حق ترک کر دیا۔ اب آل عثمان سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب قونیہ میں ان کا محبوب شہزادہ ان ی گولہ باری کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا تھا تب ان کے دلوں میں یہ احساس نہیں تھا۔ ترکوں میں وفاداری کا جو سخت میعار تھا اس کے لحاظ سے مصطفےٰ کو شہید اور بایزید کو غدار سمجھا جانے لگا۔ اب خانہ جنگی کا اندیشہ نہیں رہا تھا اور سلیمان نے سرحد پر اس قدر شورش کا انتظام کر دیا تھا کہ شاہ ایران کو اپنی سرحد غیر محفوظ نظر آنے لگی۔ ساتھ ہی سلطان نے سمرقند کے ازبکوں سے صلح کر لی۔

سلطان نے شاہ طماسپ پر دو باتیں واضح کر دیں۔ جب تک بایزید کو اس کے

حوالے نہ کر دیا جائے گا ایران کو امن نصیب نہ ہوگا۔ اور بایزید کا تاوان محض زر نقد کی صورت میں ادا کیا جائے گا۔

طماسپ کے قاصد جو پہلے لمبے چوڑے وعدے لے کے آئے تھے اب سودا چکانے لگے اور اس کے بعد انہیں صرف یہ فکر رہ گئی کہ ان کی اور شاہ کی سبکی نہ ہونے پائے۔ سلیمان کافر زند شاہ کا مہمان تھا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ اسے قید کر کے سلطان کے حوالے کر دیا جائے.....

سلیمان جوش غضب میں ایرانیوں سے سودا کرنے یا ان کی سبکی وغیرہ کا لحاظ کرنے کو قطعاً تیار نہ تھا۔ ایک جلاد کے ہاتھ چار لاکھ اشرفیاں طماسپ کو بھجوا دی گئیں۔ ایرانیوں نے بہانہ کر کے بایزید کے ساتھیوں کو دور دراز دیہاتوں میں منتشر کر دیا اور ان سے ہتھیار رکھوا کے سازش کے الزام میں انہیں قتل کرا دیا۔ بایزید اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ شاہ کے ساتھ ضیافت کے دسترخوان پر بیٹھا تھا اور اس بہانے اسے ترکوں کے حوالے کر دیا گیا کہ اسے سلیمان کے پاس نہیں بلکہ اپنے بھائی کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔ تھوڑی دور تک فرکرنے کے بعد راستے ہی میں ترک جلاد نے اس کا اور اسکے تمام بیٹوں کا کام تمام کر دیا۔ روایت کی جاتی ہے کہ اس کی ڈاڑھی مونچھ مونڈی گئی تکہ اچھی طرح پہچان لیا جائے کہ یہی وہ بایزید ہے جس نے اماسیہ میں اپنا دربار لگایا تھا۔ ایرانیوں نے اسے میلا اسمور پہنایا تھا۔ اور اس کی کمر میں رسی باندھ دی تھی۔ اتمام حجت کے لیے اب بایزید وہ ترک شہزادہ نہیں رہا تھا جس کی شاہ طماسپ نے قسم کھائی تھی۔

جب سلیمان نے سرائے کو واپس مراجعت فرمائی اور تیسرے صحن کے حوض کے قریب اپنے راہوار سے اترا تو بہت کم پہچانے ہوئے چہرے اس کے استقبال کے لیے نظر آئے اب اس کا صرف ایک بیٹا سلیم زندہ رہ گیا تھا۔ جوانا طولیہ میں قطاہیہ کا گورنر تھا جیتے جی سلیمان نے پھر اسے اپنے حضور طلب نہ کیا۔ جس سال بایزید کو قتل کیا گیا اسی سال رستم نے بھی وفات پائی۔ اپنے مرنے سے پہلے اس سفاک وزیر نے وہی کیا جو سلطان نے کیا اپنی بے حد انتہا جائیداد وقف کر دی۔ اس وقف سے مساجد اور کارہائے خیر کے اداروں کو سالانہ دو لاکھ اشرفیوں کی آمدنی ہوتی تھی۔

محمد سوکولی جو ''شہباز'' کے لقب سے مشہور تھا وہ سرائے سے دور میدان جنگ میں ڈٹا ہوا تھا کیونکہ سلیمان اب خود بنفس نفیس فوجوں کی سپہ سالاری نہ کر سکتا تھا۔ جب سلطان سرائے مُس اپنے راہوار سے اترا تو اس کی رکاب کے پاس مفتی کی سفید دستار فضیلت باندھے صرف ابن سعود کھڑا تھا۔ اس کے اپنے خدام' اور مدرسے کے طالب علم اس قدر کم سن بچے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے نام بھی سلطان کو مشکل سے یاد رہتے تھے۔ اور اب اسے پرواہ بھی نہیں تھی کہ نام یاد رہیں یا نہ رہیں۔

اسے اس کی توقع تھی کہ اس کی بیٹی مہر ماہ اس کی خدمت گزاری کرے گی۔ لیکن وہ حرم سرائے سے اس الگ حصے میں ہو گئی تھی اسے اپنے بھائی بایزید سے بہت محبت تھی اور وہ اپنے باپ کو کبھی معاف نہ کر سکی جس نے اسے قتل کرایا تھا۔ جب سلیمان نے دریافت کیا تو اسے معلوم ہوا کہ مہر ماہ پرانے قصر کے کھنڈر میں منتقل ہو گئی ہے۔

وہ لڑکیوں کی داروغہ کی زبان اسے کے لیے ایک پیغام چھوڑ گئی تھی۔ یہ کہ وہ اپنے پورے خاندان کے ماتم میں سیاہ پوش ہے۔ اب وہ روکسے لانا کے شاہی حجروں میں رہنے کے لیے تیار نہ تھی۔

اس پیغام سے اس غصے کا اظہار ہوتا تھا جو ایک عورت ہی کو آ سکتا تھا۔ سلیمان کو برسوں پہلے پرانے قصر میں اپنی بہن کے الفاظ یاد آ گئے تھے۔ اس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ خدا کرے مجھے ایک دن اپنے بھائی کے سوگ میں بھی سیاہ پوش ہونا پڑے۔ اب اسکے گھر بھر میں صرف مہر ماہ ہی ایک ایسی ہستی رہ گئی تھی جس سے اس کو محبت تھی اور سلیمان سوچا کرتا تھا کہ شاید اس لڑکی کو اپنی ذہین ماں خرم سے اور خود اس سے نفرت ہے.....

بایزید کا بشاش چہرہ جہانگیر کی مسکراہٹ سب اسے یاد آتے تھے۔ اس کے شانے جھک چکے تھے۔ اس کے خاندان بھر کی زندگی سمٹ کے سلیم کے بھوکے جسم میں آ گئی تھی جسے شراب خوری اور عیاشی سے فرصت نہ تھی۔ وہ اپنے گھر بار کو پھر سے زندہ نہ کر سکتا تھا۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور کسی اجنبی لڑکی کے جسم سے نئی اولاد پیدا نہ کر سکتا تھا.....

اس نے حکم دیا کہ روکسے لانا کے کمروں کے دروازے چن دیے جائیں۔ اپنے دو کمروں میں وہ اکیلا رہتا اور اکیلا سوتا۔ اکثر وہ لنگڑاتا ہوا زریں بارہ دری میں سے گزرتا جہاں اپنے اپنے مقام پر خواجہ سرا اور غلام اسے جھک جھک کر سلام کرتے اور آداب بجالاتے اور وہ جھروکے میں بیٹھ کر ان اجنبی نوجوانوں کے فیصلے سنتا جو اب

اس کے دیوان میں مدارالمہام تھے۔ اسے اکیلے محمد سوکولی پر اعتماد نہ تھا۔

جب وہ فجر کے وقت اٹھ کر اپنے جسم کا درد کم کرنے کے لیے کروٹ بدلتا یا انگڑائی لیتا تو صحن کے پاس کسی نوجوان کو مضبوط اور تازہ آواز میں کلام پاک کی تلاوت کرتے سنتا۔ کبھی کبھی وہ ایک ہونہار نوجوان شاعر باقی کو بلا بھیجتا جو ایک ترکی موذن کا بیٹا تھا۔ اور جس کے کلام میں بڑا جذب و اثر تھا۔ سلیمان نے اسے ملک الشعراء کا لقب دیا تھا۔ باقی طبعاً خاموش اور کم سخن تھا۔ اور بہت سے لوگ کہتے کہ اس کا کلام اپنا کہا ہوا نہیں۔ لوگ کہتے کہ اس عمر میں کوئی ایسا پختہ کلام نہیں لکھ سکتا۔

سلیمان نے کبھی باقی سے فرمائش کر کے وہ قصیدہ سنا جو اس نے اس کی مدح میں لکھا تھا۔ اس قصیدے کی زبان سادہ تھی لیکن اس نوجوان شاعر کے زور بیان سے اس میں ساحرانہ فصاحت و بلاغت کے جوہر تھے۔ خود بھی ایک ایسی ہی شے کا جویا تھا جو اس کے قصیدے کے الفاظ میں جھلکتی تھی کبھی اسے خود بھی شاعر بننے کی تمنا تھی۔

مدتیں گزر گئیں۔ کبھی وہ باقی کی طرح نوجوان اور زندہ دل تھا۔ ایک حسین لڑکی گل بہار نے اس کے دیوان کے لیے جزوہ دان سی کر اسے دیا تھا.....

اس نے دربان خاص کو حکم دیا کہ پرانے قصر سے کچھ نئی خوبصورت لڑکیوں کو حاضر کیا جائے۔ اس میں سے ایک کنیز اس نے تحفہ کے طور پر باقی کو بخش دی اور کہا ''یہ تیری رفیقہ بنے گی''۔

جب وہ نماز جمعہ کے لیے مسجد سلیمانیہ کے بیرونی دروازے کی جانب سوار ہو کر نکلتا تو باقی کی طرح کے نوجوان اسے اور اس کے زرق برق سواروں کو دیکھتے ہوں

گے ان کے طرے ہوا میں اڑتے ہوئے' وہ اتر کے خانہ خدا کے دروازے سے گزرتے اوپر چار عظیم الشان مینار تھے' ساتھ جھروکے تھے ان میں رمضان کی قندلیں روشن ہوتیں۔

جب سلیمان زین سے اترتا' اور اس کی رکاب اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے ہرکارے اسے اترنے میں مدد دیتے تو وہ درد جو اس کے پروں میں تھا اس کے جوڑ جوڑ میں سرایت کر جاتا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا۔

اس زمانے میں جواں سال مارک انتونیو دونی نی وینس کے سفیر کا معتمد تھا۔ وہ سلطان کی ایک ای جنبش پر نگاہ رکھتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس ایک سال میں سلطان بہت بوڑھا ہوگیا۔ اس کا جسم کمزور ہو گیا ہے۔ وہ استسقاء میں مبتلا ہے۔ اس کی ٹانگیں سوج گئی ہیں اسے بھوک نہیں لگتی۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ چکی ہے۔ گزشتہ مارچ کے مہینے میں اسے چار پانچ بار غشی کے دورے پڑے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب وہ کچھ ہی روز بعد مر جائے گا..... خدا کرے ایسا ہو کیونکر اس سے عیسائی دنیا کو بڑا فائدہ پہنچے گا''۔

عیسائی دنیا کو بڑا فائدہ اصل میں بایزید کے قتل سے پہنچ چکا تھا۔ سلیمان کو اس نقصان کا احساس تھا۔ بزدل سلیم کی حکومت میں سلطنت عثمانیہ کی وسعت یا استحکام کا امکان نہ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہر دلعزیز بیٹے مصطفےٰ اور بایزید اگر زندہ رہ جاتے تو یہ ممکن تھا۔ لیکن اس وقت وہ یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس نے اپنی سلطنت کو کتنا شدید صدمہ پہنچایا ہے۔

سیاہ پہاڑ کی پناہ گاہ

سلیمان کو صرف ایک امید باقی تھی جو بہت بڑی امید تھی۔ وہ مذہبوں کی خاموش لیکن مسلسل جنگ جیت رہا تھا۔ ان علاقوں میں جہاں اس کی فوجیں نہیں پہنچ رہی تھیں اس کے داعی پہنچ رہے تھے۔

سیار درویش قاری' اسلام کے سپاہی اس کی طرف سے یورپ کے دیہاتیوں کو قبول اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ کاشتکار اپنی گاڑیوں میں غلہ بھر بھر کے سرحد کے اس پار ترک علاقے میں منتقل ہو جاتے کیونکہ قوت بازو سے پیدا کیے ہوئے غلہ پر کاشتکار کو بہت ہی معمولی سا محصول ادا کرنا پڑا۔ اتنا کم محصول کہ کاشت کار کو حیرت ہوتی یونانی جزیروں کے ماہی گیروں کو اجازت تھی کہ بندرگاہوں کے بازاروں میں اپنی پکڑی ہوئی ساری کی ساری مچھلیاں بیچ دیں اور اپنی آمدنی سے سرکار کو کوئی محصول ادا نہ کریں۔ ٹرانسلوے نیا کے جنگلوں کے رہنے والے کارپیتھیا کے پہاڑوں کے سلاف کسی ذاتی منفعت کے لیے نہیں بلکہ اس وجہ سے اسلام قبول کرنے لگے تھے کہ اسلم مختلف عمل اور اقوام کے درمیان اخوت اور برادری کا علمبردار تھا۔

اس برادری میں اجنبی کے لیے دروازہ بند نہیں تھا نہ اس کو شکار کرنے کے لیے شکاری کتے چھوڑے جاتے تھے ہر دروازے پر نادار کو روٹی مل جاتی تھی۔ جو لوگ کیتھولک عقیدے سے منحرف ہو چکے تھے' انہیں ترک سلطنت کے حدود میں

پروٹسٹنٹ اور جیکو بائٹ کلیساؤں کے گرجا آباد ملتے۔ باب عالی کے باہر ایک پتھر کی سلفچی بڑے احترام کے ساتھ رکھی گئی تھی جسے لوگ حضرت مریم سے منسوب کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی دعاؤں میں اکثر حضرت عیسیٰ کا نام سننے میں آتا۔

رستم نے بوزبک تک کو مسلمان بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بوزبک نے یہی کہہ کر عذر کیا کہ میں عیسائی پیدا ہوا ہوں اور عیسائی ہی مروں گا۔

رستم نے کہا ''یہ ٹھیک ہے لیکن تمہاری روح کا کیا حشر ہوگا''۔

بوزبک نے جواب دیا 'مجھے امید ہے کہ میری روح کو بھی نجات مل جائے گی''۔

کچھ لمحے سوچ کر وزیر نے کہا ''ٹھیک کہتے ہو میں یہ مانتا ہوں کہ جس نے تقدس سے زندگی گزاری اس کا حشر برا نہ ہوگا۔ خواہ اس کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو''۔

بوزبک یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے اطراب میں ایک اور مذہب (اسلام) کا اثر اور نفوذ پھیلتا جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود دھارے کے خلاف ہاتھ پیر مار رہا ہو۔ لیکن اور سب دھارے کے ساتھ بہتے جا رہے تھے۔ بہت سے یونانی جزیرے اس دھارے کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ مغربی چراگاہوں سے ہوتا ہوا۔ یہ دھارا ماسکو کے قریب قریب تک پہنچ چکا تھا۔

سلیمان کی اپنی سلطنت میں مسلح عیسائیت صرف ایک جگہ مونٹی نیگرو (سیاہ پہاڑ) میں اسلام کا مقابلہ کر رہی تھی۔ یہ سیاہی مائل پہاڑ مین اڈریاٹک کے ساحل پر واقع

تھے۔ یہاں پہاڑی سرب ابھی تک اپنی تلواریں اور اپنا مذہب سنبھالے ہوئے تھے ان کی خانقاہیں قلعہ گاہیں بن چکی تھیں۔ ان کے پادری سپاہی بن چکے تھے ان کے داعی اور اسقف سفیر بننے لگے تھے۔ ان کے یہاں ایک چھاپہ خانہ تھا' اور یہ روایت عام تھی کہ ان کے قوم کے پرانے جنگجو سکندر بیگ کی روح ابھی ان کے درمیان زندہ ہے۔ اور چلتی پھرتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ مونٹی نیگرو کی آزادی خیالی نہیں اصلی ہے۔ کسی اور مذہب کا خدا اس آزادی کو چھین نہیں سکے گا''۔

ترکوں نے اس علاقے کو مسخر کرنے کی بڑی کوشش کی تھی پہلے تو انہوں نے نشیب کی زرخیز وادیوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر وادیوں کے رہنے والے سرب باشندوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا پہاڑ کے نشیبی حصوں پر سلاف نسل کے مسلمانوں کو آباد کیا۔ وادیوں میں بے دخل ہونے کے بعد اس کالے پہاڑ کے سرب ان بلندیوں پر قلعہ بند ہو گئے جن کی سطح اڑتے ہوئے بادلوں سے بھی زیادہ اونچی تھی اور یہاں انہوں نے مقابلہ کے لیے ایک مرکز بنالیا تھا۔

تاریخ میں یہ مقدمہ تھا کہ وی آنا' نیپلز اور میڈرڈ کے درباروں میں بہت پہلے اسپہاڑی علاقے کی مٹھی بھر ترکوں کی مذہبی تبلیغ کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔

مقاومت کرنے والا ایک اور جزیرہ بھی تھا۔ ی جزیرہ مالٹا تھا جہاں بحیرہ روم تنگ ہو جاتا ہے۔ یہ نائٹ اپن پہاڑی پتھریلی بندرگاہ کی قلعہ بندی کررہے تھے۔ اور مونٹی نیگرو کے قدامت پسند اور گنوار سرب باشندوں کی طرح یہ بھی غیر متمدن لیکن اتنے ہی آزادی پسند اور جنگجو تھے۔ اپنے قلعے سے نکل کر ان کی سات لال جنگی

کشتیاں بحیرہ روم کے نئے ترک مالکوں کے بیڑوں پر چھاپے مارتیں۔ اب چھاپے مارنے کے لیے بحیرہ روم کے یورپ کے ساحل پر وہی اکیلے رہ گئے تھے۔

ترک بحری کپتانوں اور ہسپانی ہ سے نکالے ہوئے عربوں نے خوفناک ہسپانویوں کو افریقہ سے باہر نکال کیا تھا۔ اور جبل الطارق سے اس طرف وہ کم نظر آتے تھے۔ افریقہ کا براعظم ہسپانیہ جدید بننے کی بجائے دارالسلام بنتا جا رہا تھا۔ میکسیکو اور غرب الہند سے واپس آتے ہی ہسپانوی فاتحوں کے بحری بیڑے اس کی کوشش کرتے کہ ترک بیڑوں سے بچ کر نکل جائیں اور کسی نہ کسی طرح جبل الطارق کی بندرگاہ میں پناہ لیں جس کے اطراف چٹانیں حفاظت کے لیے کھڑی تھیں۔

جس طرح چارلس کے زمانے میں باربروسا کی دھاک جمی ہوئی تھی اسی طرح اب فلپ ثانی دراگوت کے ہاتھوں عاجز تھا۔ اناطولیہ کا دراگوت جو سرور کے عالم میں دلچسپ شرارتیں کرتا اور جب جنگ میں مصروف نہ ہوتا تو بڑی فراخدلی سے پیش آتا بحری جنگ کی سمجھ بوجھ میں باربروسا سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس سے اور فلپ سے ہر طرح کے ہتھیاروں سے لڑائی ہوئی اور بڑے بڑے غیر متوقع مقامات پر۔

ہر سال گرمیوں کے موسم میں دراگوت نیپلز میں لنگر انداز ہوتا۔ اس کے ملاح اور سپاہی سسلی پر چھاپہ مارتے اور وہ جھانک کے مہورکا کے جزیرے کو دیکھ لیا کرتا۔ وہ چپکے سے جبرالٹر کے اسپار بحر اوقیانوس میں جا پہنچا اور وہاں ایک ہسپانوی بیڑے کو لوٹ لیا جو امریکہ سے خزانہ لے کر آ رہا تھا۔ کچھ عرصہ بعد انگریز بھی یہی کچھ کرنے

والے تھے۔ انگریز سفیر نے اپنی ملکہ الزبتھ کو لکھ بھیجا عربوں نے بہت سے تجارتی جہازوں کو اشبیلیا اور قادسیہ کے قریب لوٹ لیا ہے۔ جن میں تین انگریزی جہاز بھی تھے جن میں ایک لاکھ اشرفیوں کی مالیت کا سامان تھا''۔

یہ دراگوت کے جہازوں کے عرب ملاح تھے۔ فلپ ثانی جو اب اسپین کا بادشاہ تھا چاہتا تھا کہ اب باپ چارلس کی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرے۔ لیکن اس پتا چلا کہ جہاز رانی اور بحری لڑائیوں میں ہم امیر البحر ترک کپتانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ افریقہ کو اس نے سب سے پہلے جو بحری مہم بھیجی تو دراگوت نے یربا کی جیل میں پھانس لیا۔ پچیس جہازوں کا ایک اور بیڑا اپنے امیر البحر خوان دے مندوزا سمیت طوفان کی نذر ہو گیا۔ وقتی طور پر فلپ نے دراگوت کے مقابلے میں ہار مان لی۔

1564ء میں صرف مالٹا کا جزیرہ باقی رہ گیا جو ترکوں کے مقابلے میں جسارت کر جاتا تھا۔

دراگوت اس مذہبی قلع گاہ کو حصن حصین سمجھتا تھا اور یہ جانتا تھا کہ اس پر حملہ کرنا خطرناک ہے۔ اب سیبارہ سال پہلے ب شاخ زریں کے بحری کپتانوں نے اس جزیرے پر حملہ کیا تو دراگوت نے اس بندرگاہ کی قلعہ بندی کا بغور مطالعہ کیا تھا اور قریب کے جزیرے گوزو پر قبضہ کر کے قناعت کر لی تھی۔

لیکن اس سفید پتھر کے جزیرے کی سلیمان کے لیے ایک خاص اہمیت تھی۔ اس نے اپنی جوانی میں ان نائٹوں کو رہوڈس سے نکال باہر کیا تھا۔ وہ صرف اس کے

اپنے نہیں بلکہ اسلام کے حریف تھے۔ اگر ایک مرتبہ انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے تو مید ی ٹرے نین کی بحری شاہراہیں صاف ہو جائیں گی۔ لیکن دراگوت نے اسے مشورہ دیا کہ یہ مہم خطرناک ہے۔

ابھی تک سلیمان نے مالٹا پر حملے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن بایزید کے قتل کی تلخی اور اس کی اپن علالت اس پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ مالٹا کی فتح کافروں کے مقابلے میں بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ اور یہ اس کی زندگی کی آخری شاندار مہم ہوگی اب وہ یورپ کے خلاف اپنی ساری بحری اور بری طاقت استعمال کرنا چاہتا تھا۔

پھر ایک معمولی سا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے اس کی توجہ مالٹا پر مرکوز ہوگئی۔ مالٹا کے ناٹوں کے ساتھ لال جہازوں کے بیڑے نے قسطنطنیہ کے قریب بحیرہ آیجین میں بعض ترکی جہازوں کو پکڑ لیا تھا۔ حالانک حسب معمول دراگوت اور پیالی پاشا اپنی پوری طاقت کے ساتھ بحیرہ روم میں موجود تھے۔

موقع پا کر مہر ماہ نے اسے طعنے دینے شروع کر دیے۔ وہ خود پرانے قصر میں بیمار پڑی تھی اس نے اپنے باپ کو طعنہ دیا کہ بایزید کو مارنے کے لیے آپ نے فوک کی کمان خود سنبھال لی تھی لیکن کیا اب خلیفۃ المسلمین کا یہ فرض نہیں تھا کہ ان کافروں کو سزا دے جنہوں نے درہ دانیال کے اس قدر قریب آ کر لوٹ مار کرنے کی جرات کی۔ کیا سلطان کو مالٹا پر حملہ کرنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

یہ تو نہیں معلوم کہ اس طعن و تشنیع کا اس پر کیا اثر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

ہر طرف مالٹا کی تسخیر کا ولولہ اور بڑا جوش تھا۔ سلیمان نے یہی حکم دیا۔ نئے سر عسکر کو جانباز سپاہیوں اور فوج اور توپ خانہ کی فراہمی کا حکم دیا ملایا باربرداری کی کشتیاں بنائی گئیں اور بحری کپتانوں کو حکم ملا کہ آوارہ گردی کرنے کے بجائے نائٹوں کے قلعہ کو تسخیر کریں۔

ایک شرط البتہ اس نے عائد کردی۔ سر عسکر اور کپتان پاشا اس وقت تک حملہ کا آغاز نہ کریں جب تک کہ دراگوت خود وہاں پہنچ کر قلعہ کی تسخیر کی حامی نہ بھرے۔

☆☆☆

سینٹ ایلمو کے مردے

راستہ بھر غالباً جذباتی دراگوت غصے سے تلملاتا رہا۔ ممکن ہے کہ مالتا پر دوسرے سہ سالاروں سے ملاقات کی تاریخ اسے ٹھیک طرح نہیں بتائی گئی تھی۔ یا افریقہ کے بحری دستوں کو جمع کرنے میں اسے دیر لگ گئی۔ بہر حال وہ دیر سے پہنچا۔ جب اس نے افق کے مقابلے میں مالٹا کی سفید بلندی دیکھی اور اس کا پرچم بردار جہاز بندرگاہ کی طرف بڑھا تو اس علاقے میں توپوں کی گرج کی آواز سنی جہاں سینٹ ایلمو کا قلعہ تھا۔

جب اس نے بندرگاہ کے داخلے کا چکر لگایا تو دیکھا کہ ایسا کچھ پیش آ چکا ہے ترک سپہ سالاروں نے اس کا انتظار کیے بغیر حملہ کر دیا تھا۔ دھوئیں کے بادلوں کے درمیان سے ان کے موجے اور خندقیں ٹیڑھی لکیروں کی طرح اوپر کی بلندیوں کی طرف سینٹ ایلمو کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ توپ خانہ سنگین حصار پر گولے برسا رہا تھا۔ غلط مقام پر انہوں نے اچھا خاصا کام انجام دیا تھا۔ بندرگاہ کے اس پار نائٹوں کا ایک شہر ایک بڑے سے سیاہی مائل کچھوے کی طرح آباد تھا۔ اس کے دونوں بازو قلعوں سے محفوظ تھے۔ شہر کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا۔

جب دراگوت لنگر انداز ہوا اور اس چھوٹے سے جزیرے کا مشاہدہ کیا جس کے بڑے حصے پر ترکوں نے بڑی ساعت سے قبضہ کر لیا تھا تو اسے مالٹا کی قوت اور مالٹا کی کمزوری کا اندازہ ہوا۔ اس کی پتھریلی زمین میں خندقیں کھودنا مشکل تھا۔ رات کو

کدالوں سے خندقیں کھودی جا سکتی تھیں۔ اس بنجر زمین پر جو عیسائیوں کے شہنشاہ نے قریب قریب حقارت کے انداز سے ان کے حوالے کی تھی مالٹا کے نائٹ سنگین پتھر کے برج و بار کے مضبوط قلعے میں پتھروں اور چٹانوں کے سائے میں محفوظ تھے اور جمے ہوئے تھے۔ جہاں جہاں پیش قدمی کا امکان تھا وہاں گولہ باری کا جواب گولہ باری سے دینے کے لیے بھاری توپ خانے نصب تھے۔

بھاری اور مضبوط پتھروں سے بنے ہوئے برج ایسے تھے کہ جب تک انہیں توپوں سے منہدم نہ کیا جائے۔ انسان کا کمزور جسم آگے بڑھ ہی نہ سکتا تھا۔ اس کے جامد اور بے جان طاقت کے مقابلے میں حملہ آوروں کی تعداد سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ قلعہ کی حفاظت کے لیے زیادہ مدافعین کی بھی ضرورت نہ تھی نائٹ جن کو محاصروں کا بڑا تجربہ تھا۔ اس کا انتظام کر ہی چکے تھے۔ ان کی جنگی کشتیاں شہر کے مورچوں کے اندر پانی کے اس حصے میں محفوظ تھیں جو بورگو کہلاتا تھا۔ اس بورگو کے دھانے پر ایک بھاری زنجیر باندھ دی گئی تھی۔

(دراصل ان سب قلعوں میں کل پانچ سو نائٹ تیرہ سو بھرتی کے سپاہی چار ہزار بحری سپاہی اور مالٹا والے تھے۔ ان کے مقابلے میں ترک فوج میں سارے چار ہزر ینی چیری ساڑھے سات ہزار پیدل سپاہی تھے انجینئر ملاح ہلکے توپچی اور دوسرے دستوں کی مجموعی تعداد اٹھارہ ہزار تھی)

لیکن مالٹا کی ایک کمزوری بھی تھی۔ اور دراگوت نے اپنے سپہ سالاروں کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ بڑی بندرگاہ میں بہت سے دندانے سے تھے۔ چونکہ نائٹوں کی

تعداد کم تھی اس ان کے پاس سرمایہ بھی کم تھا اسلیے انہوں نے صرف بورگو کی قلعہ بندی کی تھی۔ ان بلندیوں پر توپ خانہ نصب کیا جائے تو کچھ عرصے کے بعد قلعے کی فصیلوں میں شگاف پڑنے کی امید ہوسکتی تھی۔"

دراگوت نے ان بلندیوں کو دکھا کے کہا "تمہیں اپنے توپ خانے یہاں نصب کرنے چاہئیں۔"

لیکن ترک سپہ سالار مصطفےٰ پاشا نے اس کے بجائے سینٹ ایلمو کے قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا جو بندرگاہ کے اس پار اکیلا کھڑا تھا۔ سینٹ ایلمو بندرگاہ کے داخلے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ سینٹ ایلمو پر قبضہ ہو جائے تو وہ پھر اپنا بیڑا بندرگاہ میں لا سکتے ہیں۔ اور قریب پہنچ کر نائٹوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن کا بیڑا بورگو میں ہے کپتان پیالی پاشا اور تجربہ کار دراگوت نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ دراگوت نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ قلعہ شہر کے راستے میں حائل ہے۔ لیکن اگر ہم دوسرے رخ سے پہلے شہر ہی پر قبضہ کر لیں تو یہ قلعہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔ سینٹ ایلمو پر آپ کو کس قدر گولہ بارود خرچ کرنا پڑے گا۔ اور کتنی جانیں ضائع کرنی پڑیں گی تب کہیں ہم اس منزل تک پہنچیں گے جس تک ہم یوں بھی آسانی سے پہنچ سکتے ہیں"۔

لیکن سینٹ ایلمو کے محاصرے میں اتنی دور تک پیش قدمی ہو چکی تھی کہ اب پیچھے ہٹنا ممکن نہ تھا۔ اس محاصرے کی تکمیل کے وقت اتنی ہی ضروری تھی جتنی مالٹا کی فتح۔ سلطان کا حکم تھا کہ اس مہم سے ہرگز ناکام ہو کے واپس نہ آنا۔ سر عسکر کو معلوم تھا کہ دراگوت اور پیالی پاشا کو معلوم ہے کہ تینوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ واپس شاخ

زریں کولوٹیس اور سلطان سے عرض کریں کہ پہلی بار عثمانی بری اور بحری فوج کو شکست نصیب ہوئی ہے۔

وقت ان کا مخالف تھا۔ مالٹا سے سسلی کا ساحل قریب قریب نظر آتا تھا۔ اور اس کے قریب اٹلی کی سرزمین تھی۔ ایک دو مہینے میں یقینی طور پر یورپ سے ایک جنگی بیڑا مالٹا کی مدد کے لیے آجائے گا.....

ترکی توپ خانے کی گولہ باری سے سینٹ ایلمو کی سنگین فصیل کے ٹکڑے ٹوٹنے اور گرنے لگے۔ دراگوت کی بے پناہ قوت عمل اس بدنصیب قلعے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی؛ اسکا توپ کا نہ سامنے کی بلندی پر گرج رہا تھا۔ اور سامان رسد کو قلعہ تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔

محض ہمت یا دست بدست لڑائی سے زمین کے ایسے ٹکڑوں کی حفاظت نہیں کی جاسکتی بے پناہ حملے اور زر کے مقابل انسان کی قوت برداشت ختم ہو جاتی ہ۔ تھکے ہارے آدمی یا تو ہتھیار ڈال دیتے ہیں یا موقع ملتا ہے تو بچ نکلتے ہیں۔ یا اس ان تھک محنت میں ناکام ہو جاتے ہیں جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔ فصیل کے رخنوں پر ترکوں کے سخت حملے کے بعد سینٹ ایلمو کے محافظوں نے نائٹوں کے آرڈر کے گرینڈ ماسٹر کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم دوسرے حملے کی تاب نہ لاسکیں گے۔

گرینڈ ماسٹر ژان دے لاویلت بھی سلطان سلیمان ہی کی طرح کہن سال تھا۔ رہوڈس کی تسخیر کے بعد سلطان نے اس کی جان بخشی کردی تھی اور اسے خیریت سے رخصت ہو جانے دیا تھا۔ وہ بڑا راسخ العقیدہ عیسائی تھا۔ اور اس کی روحانی زندگی بھی

اسی طرح زرہ پوش تھی جیسے اس کا جسم دراگوت کی طرح اسنے بھی گرفتار ہو کے دشمنیوں کے کشتیاں کھینے کی غلامی کی تھی۔ یہ اس کے لیے ناممکن تھا کہ غیر عیسائی ترکوں کو پیٹھ دکھاتا یا ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتا۔ اس نے قلعے کے بچے کھچے محافظین کو کہلا بھیجا "کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں خود آ کے قلعے کی مان سنبھالوں؟"

گرینڈ ماسٹر کے طعنے سے متاثر ہو کر قلعہ والوں نے دوسرے حملے کا بھی مقابلہ کیا۔ دراگوت نے لکڑی اور کپڑے کا ایک پل بنا کر خندق کو پار کیا تا کہ ترک فصیل کے شگاف میں گھس جائیں۔ اس پل کو پار کر کے پانچ گھنٹے تک ترک لڑتے رہے قلعہ کے اندر بہ کم نائٹ اور تنخواہ دار سپاہی ایسے تھے جن کے زخم نہ آئے ہوں۔ لیکن اب وہ اس مرحلہ سے گزر چکے تھے کہ ان کے اعصاب پر کسی بادشاہ کا اثر ہو۔ وہ نئی روک کے لیے پتھروں کا انبار لگاتے رہے۔

دراگوت جون کی دوسری تاریخ کو مالٹا پہنچا تھا۔ سولہ جون کو جب وہ سینٹ ایلمو کی فصیل کے شگافوں پر حملہ کر کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا ایک بڑے سے پتھر کی ضرب سے اس کے سر کی ہڈی پاش پاش ہو گئی۔ مصطفےٰ پاس جلدی سے طبیبوں کے پاس پہنچا جہاں دراگوت زخمی پڑا تھا۔ طبیبوں کی رائے تھی کہ دراگوت کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ لوہے کے ٹکڑوں سے پیالی پاشا بھی زخمی ہو گیا تھا لیکن اس کی جان کا خطرہ نہیں تھا۔

دراگوت ابھی زندہ ہی تھا کہ مسلسل حملوں کی وجہ سے سینٹ ایلمو کے محافظین کی تعداد گھٹ کر اس قدر کم ہو گئی کہ نائٹ اتنی تلواریں بھی فراہم نہ کر سکے کہ تمام

شگافوں ترکوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ دیکھ کر بہت تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ دے لا ویت نے رات کے اندھیرے میں تین نائٹوں کو قاصد بنا کر بھیجا کہ ان میں سے ایک انگریز تھا۔ ایک فرانسیسی اور ایک اطالوی یہ تینوں زندہ لوٹ آئے اور صورت حال بیان کی۔ دو کی رائے تھی کہ قلعہ بچ نہیں سکے گا۔ تیسرا قطعی طور پر کوئی رائے قائم نہ کرنے پایا اور اس نے کہا کہ مدافعین میں سے جو زندہ بچے ہیں وہ آخری دم تک مقابلہ کریں گے اور ہتھیار نہ ڈالیں گے۔

گرینڈ ماسٹر نے فیصلہ کیا کہ وہ آخر دم تک اپنی اپنی جگہ پر جمے رہیں۔

چوبیس تاریخ کو ترک سینٹ ایلمو کے اندر گھس آئے۔ یاں انہوں نے دیکھو کہ زخمی سپاہی بھی اپنی اپنی کرسیوں رپ تلوار سونتے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ محصورین مں سے ایک بھی زندہ نہ بچا اپنے شدید نقصانات سے غضب ناک ہو کے حملہ آوروں نے مقتولیں کے کپڑے صندوقوں میں بھر بھر کے شہر کی طرف بہا دیے تا کہ شہریوں کو عبرت ہو۔

دراگوت نے اس وقت تک دم نہیں توڑا تھا۔ اسنے قلعہ کے سر ہونے کی خوشخبری سنی وہ بحیرہ روم کا قابل ترین امیر البحر تھا۔ وہی ایک ایسا امیر البحر تھا جس نے کبھی شکست نہ کھائی تھی۔ اسکی موت کا ترکوں کی بحری تگ تاز پر برا اثر پڑا۔

مالٹا کے افق سے کوئی کک کے لیے آتا ہوا بیڑا نظر نہ آیا۔ اہل یورپ نے وسط جون تک مدد بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ مہینے کے اختتام پر ایک واحد جنگی جہاز جزیرے کے دوسرے سرے پر پہنچا جاس میں سو سے کم نائٹ اور ان کے سپاہی تھے اور وہ

سسلی کے وائسرائے کی تاخیر سے تنگ آ گئے تھے جو سینا میں ایک بیڑا اکٹھا کر رہا تھا اور اپنے ہی جہاز پر روانہ ہو گئے تھے۔

رات کی دھند اور ایک طرح کے معجزے کی مدد سے یہ چھوٹی سی فوج ترکوں کی صفوں کو پار کر کے رات کے وقت بورگو میں دے ولادیت کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے یہ قصہ سنایا کہ کک کے لیے پاپائے روم نے چالیس چہارم نے مدد دی ہے۔ ہسپانوی نے مدد کا وعدہ کیا ہے تاجروں نے اپنے جہاز نذر کر دیے ہیں سینا میں ہر طرف سے رضا کار آ رہے ہیں۔ لیکن سسلی کے ہسپانوی نائب السلطنت گارسیاوے تولیدو کی بزدلی کی وجہ سے کوئی جہازوں پر سوار نہیں ہو پایا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ جب تک میرے پاس ترکی بیڑے سے زیادہ طاقتور بیڑا جمع نہ ہو جائے گا۔ میں باہر سمندر میں نکلوں گا اصل بات یہ ہے کہ لوگ ترکوں سے بہت ڈرنے لگے تھے۔ سسلی کا وائسرائے اب یہ کہتا تھا کہ میں جولائی کے مہینے میں کسی روز مالٹا پہنچ جاؤں گا۔

دراصل اس کا بیڑا ۱۵ ستمبر کو نظر آیا۔

تہتر روز تک دے لا ولیت کے قلعے پر وہ قیامت گزرتی رہی جس نے سینٹ ایلمو کو پاش پاش کر دیا تھا۔ شہر کے پیچھے کی بلندیوں پر ترک آتش بازی کرتے رہے جن کی وجہ سے شہر کی سڑکوں پر آگ لگ جاتی ترکی انجینئر شہر بھر کی فصیلوں کے نیچے سرنگیں بچھا رہے تھے نولس نے بیان کیا ہے کہ ''چودہ مقامات پر ترکوں نے آتش بازی کی کل ستر بڑی توپیں تھیں جن میں سے تین بہت ہی بڑی آتش دہان توپیں تھیں۔ ترکوں نے اس پورے احاطے کو خندقوں] مورچوں اور قلعہ بندیوں سے گھیر

لیا تھا جہاں سے وہ دن رات دینٹ مائیکل اور سینٹ آنجلو کے قلعوں اور قصبوں پر آگ برساتے رہے۔ اور فصیلوں میں شگاف ڈالتے رہے مورچوں کو گراتے رہے مکان اس دہشت ناک طریقے سے پرزے پرزے ہو کر اڑتے کہ ان میں پناہ لینا خطرے سے خالی نہ تھا۔

مصطفےٰ پاشا کے انجینئروں نے ایک قلعے کے نیچے سرنگ بچھائی۔ باربروسا کے بیٹے حسان نے جو اس کی طرح اب الجزائر کا بیلر بے تھا زمی پر سے کشتیاں کھچوائیں تا کہ انہیں قلعوں کے پیچھے بندرگاہ پہنچایا جا سکیا ور ادھر سے پانی کی راہ سے بھی حملہ کیا جائے لیکن اس کی کوشش میں اس کے سارے سپاہی اور ملاح تلف ہو گئے کیونک یہ کشتیاں یا تو غرق کر دی گئیں یا منتشر ہو گئیں اور حملہ آوروں کی واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ نائٹوں نے کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔

صالح رئیس نے جو اس بحری کپتان کافر زند تھا جو کبھی باربروسا کا دست راست تھا' ایک چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ چپکے سے حملے کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ دن کی خاموش گھڑیوں میں دور تک آ گئے لیکن پانچ ادمی جو ایک منہدم شدہ برج میں سو رہے تھے جاگ اٹھے اور اس وقت تک مقابلہ کرتے رہے جب تک کہ مسلح نائٹ مقابلہ کرنے کے لیے وہاں نہ پہنچ گئے۔

ترک تیراک اندھیرے میں اپنے ہاتھوں میں کلہاڑیاں لے کر تیرتے ہوئے آگے بڑھے کہ مالٹا کی جنگی کشتیوں کی پناہ گاہ کے باہر جو آہنی زنجیر ہے اسے توڑ ڈالیں۔ ان کے مقابلے میں مالٹا کے تیراک اپنے دانتوں میں خنجر دبائے ہوئے

آگے بڑھے۔

فصیلوں کے نیچے چٹان ہی چٹان تھی۔ جس میں سرنگ کھودنا قریب قریب ناممکن تھا۔ پھر بھی سرعسکر نے ایک سرنگ بنوا کے اس علاقے کو بارود سے اڑا دی جس میں سے ایک برج اڑ گیا تھا۔ لیکن اس خندق کے پار جس اس نے فوری حملہ شروع کر دیا تو اس کے مقابلے میں ایک جال اور تیار تھا۔ چٹان میں سرنگ بنانے سے جو شور ہو رہا تھا اس سے مدافعین چوکنے ہو گئے اور انہوں نے سرنگ کا راستہ دریافت کر لیا۔ اور اس کے اختتام پر ایک نیا مورچہ تیار کر لیا۔

پھر بھی مصطفےٰ پاشا کو اپنے نقصانات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ہر لڑائی کے بعد نائٹوں کی کمزوری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اگست کے اختتام پر اور کئی سرنگیں پھٹیں اور اس نے اپنی مرصع زرہ پہن کے بنفس نفیس حملہ آوروں کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اس حملے کی موج بھی فصیلوں کے شگافوں کو پار نہ کر سکی۔ سرعسکر اور اس کے ساتھ ایک غار میں پھنس گئے اور رات ہونے تک عیسائیوں کے حملوں سے اپنی مدافعت کرتے رہے اور رات کے اندھیرے میں واپس اپنی فوج سے آ ملے۔

اس حملے کے بعد وہ دے لاویت کے ماتحت افسروں نے اپنے مردوں اور زخمیوں کا حساب لگایا اور کہا کہ اب ان کے پاس اتنی فوج نہیں بچی ہے کہ وہ قلعوں کی حفاظت کر سکے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ تمام تبرکات اور نائٹوں کی اپنی ذاتی قیمتی املاک اور سارے سامان رسد کو اس قلعے میں پہنچا دیا جائے جو اب تک محفوظ ہے۔ یہ سینٹ آنجلو کا قلعہ تھا۔ اس قلعے پر سب نائٹ آخری مقابلے کے لیے جمع ہو

جائیں۔

گرینڈ ماسٹر نے بہت سوچ کر جواب دیا کہ وہ ان کی دلیلوں کو سمجھتا ہے لیکن اس ان کی رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اب تک اہل مالٹا اور تنخواہ دار سپاہیوں نے بڑی جرات سے مقابلہ کیا ہے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ ان کے پیشوا نائٹ پسپا ہو رہے ہیں تو انہیں بڑا صدمہ ہوگا۔ اگر سردار ہٹ جائے تو سپاہی نہیں لڑ سکتا۔ دے لاویت نے حکم دیا کہ ہر شخص جو قلعہ سینٹ آنجلو میں پناہ لے رہا ہے باہر نکل آئے اور دوسرے قلعوں کے شگافوں پر ڈٹ کر مقابلہ کرے صرف بھاری توپ خانے کے توپچی سینٹ آنجلو میں باقی رہ جائیں۔

اگست کے اختتام تک ترک فصیلوں کے شگافوں پر حملہ کرتے اسی اپنی فوج کا نصف حصہ یا تو ضائع ہو چکا تھا یا اپنے خیموں میں بیمار پڑا تھا۔ اس لیے مصطفےٰ پاشا جانتا تھا کہ قلعوں کے مدافعین کا حال اور بھی نا قابل برداشت ہوگا رچرڈ نولس لکھتا ہے ''ترکوں کے جنرل مصطفےٰ نے یہ جان کر کہ مسلسل محنت جاگ اور تھکاوٹ سے مضبوط سے مضبوط کمزور پڑ جاتے ہیں ی حکم دیا کہ محصورین کو آرام کرنے کا قطعا موقع نہ دیا جائے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو پھر حکم دیا کہ سینٹ مائیکل کی فصیلوں کے شگافوں پر ہلہ بول دیں''۔

ان چند دنوں میں حملہ آوروں کے غیض وغضب کا محصورین پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جیسے سینٹ ایلمو کے مدافعین نے اس سے پہلے ان سے لڑنے میں ہمت نہیں ہاری تھی۔ کئی پشتوں کے بعد ترک عسکر کو اب تک ایسی برتر اور بہادر گفوج سے سابقہ پڑا

تھا جو ایک انچ زمین اپنے قبضے سے نکلنے کے مقابلے میں موت کو ترجیح دے رہی تھی۔

مصطفےٰ پاشا نے سینٹ ایلمو کے محاصرے کو یادگر کے محض ایک شگاف پر جایں گنوانے کی بجائے ایک عام حملے کا ارادہ کای جو سب طرف سے کیا جائے اگر ہر طرف سے حملہ کیا جائے تو ایک آدھ شگاف ایسا مل جائے گا جہاں مدافعت کرنے والے نائٹ موجود نہ ہوں گے اس حملے کے لیے اس نے ستمبر کی سات تاریخ مقرر کی۔

۵ ستمبر کو اسے اطلاع ملی کہ سسلی سے آیا ہوا عیسائی بیڑا شمالی ساحل پر پہنچ گیا ہے کمک کی فوج اس کے عقب میں اتر رہی ہے۔

سر عسکر نے اپنے محاصرے کی منجنیقوں اور مورچوں کو آگ لگا دی۔ جو بیس بھاری محاصری شکن توپوں کے علاوہ اس نے اپنا توپ خانہ بچا لیا۔ نائٹوں نے سینٹ آنجلو کے قلعے پر اپنا پرچم اونچا کای ترکوں نے اپنے ان چالیس جہازوں کو آغ لگا دی جن کے لیے ملاح اور سپاہی باقی نہ بچے تھے اور سمندر میں نکل آئے۔

لیکن مالٹا کے چھوڑنے سے پہلے ترکوں نے فتح کی ایک اور کوشش کی شہر کی حد نظر سے اوجھل ہو کے ترکی بیڑا مشرقی ساحل پر پھر آ پہنچا۔ اور یہاں سر عسکر نے سات ہزار سپاہی اتارے جو لڑنے بھرنے کے قابل تھے۔ تاکہ کمک کے لیے آئی ہوئی تازہ دم عیسائی فوج کا مقابلہ کریں۔ یہ عیسائی فوج شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

لیکن سسلی کی تازی دم فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ اس کثیر فوج کے مقابلے میں

یہ حملہ ناکام رہا۔ ترک پھر واپس اپنے جہازوں کی طرف پسپا ہوئے۔ اور اپنی کشتیوں میں سوار ہونے میں انہیں سخت نقصانات برداشت کرنا پڑے۔ اس مرتبہ انہوں نے مشرق میں گوزو کا رخ کیا۔

اسپین کے نائب السلطنت گارسیاوے تولیدو اپنے بیڑے کے ستر جنگی جہازوں کو مالٹا کے زخموں سے چور بندرگاہ کے سامنے لایا۔ مالٹا کی تمام باقی ماندہ توپوں نے اس بیڑے کو سلامی دی جس نے اس محاصرے کو ختم کر دیا تھا ڈان گارسیا نے دہری سلامی دی۔ اور اس جنگ آزمودہ بندرگاہ سے رخصت ہو گیا اور جاتے جاتے یہ پیغام دے گیا کہ وہ اور کمک لانے جا رہا ہے۔

سسلی کے بیڑے نے ترکوں کے زخمی بیڑے کا تعاقب نہیں کیا۔ ویسے لا ویلت نے مالٹا کے کی جنگ کے متعلق اپنی رپورٹ تیار کرنی شروع کی کہ عالم عیسائیت کے لیے منالٹا نے کیسی شاندار خدمت سرانجام دی۔

سر عسکر مصطفےٰ پاشا کا بیڑا جب مرکز سرائے پہنچا تو ٹھہر گیا۔ وہ دن کے وقت گودی میں نہیں داخل ہونا چاہتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ جنگ مالٹا کے باقی ماندہ سپاہیوں کو شاخ زریں کی بندرگاہ پر لے آیا تا کہ لوگ رات کو انہیں سڑکوں پر نہ دیکھ پائیں بلا صف بندی کے یہ سپاہی اپنے بارکوں یا اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

دراگوت کی شہادت اور فوج کی شکست کا باب عالی اور اہل قسطنطنیہ کو سخت صدمہ ہوا مالٹا میں بڑا خلاف توقع واقع پیش آیا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ بیمار سلطان نے اس کی تسخیر کا حکم دیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی اتنا طاقتور بیڑا لڑنے کے لیے نہیں

بھیجا تھا۔ لیکن ایک چھوٹے سے عیسائی دستے نے بہادر اور نڈر ترکوں پر فتح حاصل کی تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس مہم میں کوئی نقص تھا یا اس شکست میں کسی کی نا اہلی کا کوئی دخل تھا۔

نہیں مالٹا کی شکست نوشتہ تقدیر تھی۔ دراگوت وہاں مر گیا۔ اسکا وقت آ گیا تھا اور اس کی مٹی وہاں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ ترکوں کو مالٹا میں کامیابی نہ ہو۔

ترکوں پر اس نوشتہ تقدیر کا بہت گہرا اثر تھا۔ اور اس کا انہیں بڑا صدمہ تھا۔ ابن سعود سے لے کر باغبان لڑکوں تک سب پر یہی کیفیت طاری تھی۔ گودی میں نئے جہازوں کے عرشے بن رہے تھے۔ لیکن اب کسی کو اپنے بیڑے پر اتنا اعتماد نہ رہا تھا۔ مالٹا کے اس پار مغربی سمندروں میں کسی نئی مہم کا حکم نہیں سنایا گیا تھا اب ایسی کوئی مہم کبھی نہ بھیجی جائے گی۔

اس صدمہ کا بڑا سبب کم سے کم سرائے کے دائرے میں سلطان کا اپنا ردعمل تھا۔ وہ اپنا غصہ ضبط کیے ہوئے تھا۔ بیڑے کی واپسی کی خبر سننے کے بعد مغموم سلطان نے کبھی مالٹا کا ذکر نہیں کیا۔

دیوان کے وزراء دیکھتے تھے کہ اس معاملے میں سلطان کس قدر احتیاط برت رہے ہیں۔ مصطفےٰ پاشا جو اس شکست کے الزام کا مورد تھا اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے دیوان میں وزراء کی صف میں بیٹھتا تھا۔ لیکن جب سلطان ان کے ساتھ بیٹھا تو صرف وزیر اول سوکولی یا وزیر ثانی پرتو پاشا سے بات کرتا۔ وہ مصطفےٰ پاشا سے

بات نہ کرتا۔ کہ مالٹا کا ذکر نہ آ جائے۔ اس لیے سر عسکر کو شرمندگی نہ ہو۔ سلیمان اس کے قریب دوسرے وزرائے سے بھی بات نہ کرتا۔

دیوان کے وزراء سے لے کر دروازے کے سنتری ینی چیریوں تک سب اسی سوچ میں تھے کہ دیکھیے اس صدمے اور غصے کے عالم میں سلطان کیا کرتا ہے۔

لیکن اس نے جو حکم دیا اس کی کسی کو توقع نہ تھی جب برف پگھلی اور جشن نوروز کا وقت آیا سلطان عثمانی کو نذریں ہوئیں اور امرا آداب بجا لائے تو سلیمان نے نقارہ ظفر بجانے کا حکم دیا۔ اسنے کہا کہ گزشتہ مہم (اس نے مالٹا کا نام نہ لیا) میں میں بنفس نفیس عسکر کی قیادت نہ کر سکا۔ اب میں خود عسکر کی قیادت کروں گا اور اس کا انجام نیک ہوگا۔

سب سمجھ گئے کہ وہ مالٹا کی شکست کا داغ دور کرنا چاہتا ہے لیکن کسی کی سمجھ مین نہ آتا تھا کہ اس ضعیفی میں وہ کیونکر فوج کشی کر پائے گا۔

فٹ نوٹ

ا۔ یہاں مصنف نے خواہ مخواہ مالٹا کے واقعہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ دراگوت کی موت واقعی ترکی بیڑے کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ لیکن اس مہم کو بجائے خود کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی اور جو ترک فوج بھیجی گئی تھی اس کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔

نئے سردار

یلغار کے لیے طرح طرح کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سلیمان اب اکثر چپ چاپ رہا تھا' اور بہت کم کسی کو یہ بتاتا کہ اس کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے پپوٹے لٹک آئے تھے۔ پپوٹوں کے پیچھے اس کی آنکھیں اس طرح چمکتیں گویا وہ اپنے قریبی رفیقوں کو جانچ رہا ہے اور انکے لیے سزا تجویز کر رہا ہے۔

دیوان خاص کے چھوٹے سے حجرے میں وزرا سر بگریبان تھے کہ سلطان کے اس آخری فرمان کا مقصد کیا ہے اس نے فلارنس کے آزاد شہر سے معاہدہ کیا تھا کہ اسے ہی حقوق عطا کر دیے گئے تھے جو وینس کو حاصل تھے۔ رگوسا اور فرانس کو بروصہ میں ریشم سازی کے کاروبار کی اجازت ملی تھی۔ اب بھی سلطان اپنے ملک کی تارت یورپ کے بعض ملکوں کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بڑی سہولت سے نئے شہنشاہ میسمیلین کے علاوہ یورپ کی دوسری طاقتوں سے صلح کر لی تھی۔

اسنے اپنے بیٹے سلیم کو اپنے حضور میں طلب نہیں کیا۔ اپنے خطوں میں وہ سلیم کو بادہ خواری ترک کرنے کا حکم دیتا۔ بادہ گلگوں سے خلل دماغ واقع ہوتا ہے سلیم اب تخت و تاج کی طرف سے مطمئن تھا۔ اس نے اس فہمائش کیباوجود عیاشی نہیں چھوڑی۔ سلیمان کے ایک رفیق کو جو بری صحبتوں میں اس کے ساتھ رہتا تھا قتل کروا دیا۔ اس کے بعد بھی سلیم نے خفیہ طور پر شراب کا سلسلہ جاری رکھا۔

سلیمان خاموشی کے عالم میں اپنے بیٹے کو جانچتا جواب اکیلا زندہ بچ گیا تھا اس

میں یا اس کی عورتوں میں اسے کوئی خوبی یا صفت نظر نہ آتی۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ سلیم زندہ رہ جائے۔ آل عثمان کا وہی واحد وارث باقی بچا تھا لیکن وہ اگلے عثمانیوں کی سی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ جب سلیم نے اپنے بیٹے نے گستاخی سے ایک جنگی جہاز طلب کیا کہ وہ اس میں سوار ہو کر اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے تو سلطان نے اس کی بجائے اسے ایک چھوٹی سی کشتی دے دی۔

پھر اس نے سلیم کی دونوں بیٹیوں کو طلب کر کے ان کی شادیاں اپنے دو معتمد ترین افسروں سے کر دیں۔ ان میں سے ایک سوکولی تھا اور دوسرا کپتان پاشا پیالی۔ دراز قد اور سوکولی جو کرد آٹ نسل سے تھا۔ اس نے وہ سب اختیارات سونپ دیے جو اسنے ابراہیم کے مرنے کے بعد اب تک کسی اور کے سپرد نہیں کیے تھے۔ سوکولی کو اسکے وزیر اعظم کے منصب کے ساتھ سر عسکر کا عہد بھی تفویض کیا سوکولی اب آل عثمان کا داماد تھا۔ اور اسے وہ پوری طاقت حاصل تھی جو اسے سلطان نے سونپ دی تھی۔ وہ سلطان نہیں تھا لیکن سارے سلطانی اختیارات اسے تفویض کر دیے گئے تھے اگر سوکولی سلطان کے خلاف سازش کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ اس پہاڑی کرد آٹ کو خطاب و القاب کی کوئی خاص فکر نہ تھی۔ اسکے مزاج میں پہاڑوں کی چوٹیوں کی سی سختی تھی۔ وہ عمل سے خوش ہوتا تھا' اعزاز سے نہیں' اس کا اظہار اسنے کئی سال پہلے مدرسے کی طالب علمی کے زمانے میں کرایا تھا۔ اور سلطان کو وہ واقعہ یاد تھا۔ سلیمان اور اس کے درمیان کبھی وفاداری کے موضوع پر گفتگو نہ ہوئی تھی۔

سلیمان اپنی خوبگاہ میں تکیوں کے سہارے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے سوکولی کے

چہرے کو غور سے دیکھا اس میں غرور یا ہچکچاہٹ کی ذرا سی بھی جھلک ہے یا ہیں یا ی کہ اپنے آقا کی گری ہوئی صحت کے متعلق اسے کوئی کھوج ہے یا نہیں۔

اپنے زانوؤں پر ہاتھ باندھے سوکولی یلغار کی تفصیلیں سوچ رہا تھا اور عرض کرتا جارہا تھا کہ یورپ والی فوج کو کس طرح بھرتی کیا جائے۔

''اور ایشائی فوج' سلیمان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

وزیر کی خاکستری آنکھیں اسے تکنے لگیں۔ کئی ساتل سے اس قدر فوج کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ اس نے جواب میں صرف جی حضور کہا اور خاموش ہو گیا۔

سلیمان نے بڑی احتیاط سے ایک آنجورے سے پانی پیا پھر سرگوشی کے لہجے میں اس سے کہا کریمیا کے تاتاریوں کے خان غیرئی بھی ساتھ چلے گا''۔

سوکولی کے چہرے پر ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ زندہ دلی سے جگمگا اٹھا اور اس نے کہا حضور فوج کا جشن چاہتے ہیں۔

اپنی آنکھیں بند کر کے سلیمان نے سوچا ساری راہ فوج کے کوچ کا جشن کا سا عالم رہے گا ہاں تا کہ دل بہلے مشاعرے کے لیے شاعروں کو بھی ساتھ لیتے چلنا چاہیے۔

شاعر تو ہمیشہ چشم براہ رہتے ہیں ان کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

''باقی''

''ملک الشعراء باقی ضرور قصیدے لکھے گا۔ راستے پر ہم ریت بچھاتے جائیں گے تا کہ سلطان کی سواری آرام سے گزرے''۔

کچھ سوچ کے سلیمان نے سر ہلایا ''میرے گھوڑے''۔

''ایک گاڑی بنائی جائے گی جسے آپ ہی کے گھوڑے کھینچیں گے''۔

سلیمان نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ اگر اس شخص نے یہ مشورہ دیا ہوتا کہ سفر کی زحمت مناسب نہیں اور اس عمر میں سلطان کو یہ ذمہ داری خود نہ برداشت کرنی چاہیے تو سلیمان کو کچھ شک ہوتا۔ اب وہ اطمینان سے اپنی گاڑی میں سفر کرے گا۔ سلیمان نے طلائی آبخورے کو رکھنا چاہا تو سوکولی نے اس کے ہاتھ سے آبخورے لے کر رکھنا چاہا' اس کا ہاتھ سلطان کے ہاتھ سے مس ہوا۔ لیکن سلطان نے خود آبخورہ رکھ دیا۔ پھر اس نے سوکولی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جوش کے عالم میں کہا ''میں تاتاریوں کی چراگاہوں میں دارالحرب تک سارا راستہ تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ابھی میری لاش کی حفاظت تمہارے ذمہ نہیں ہے۔

سلیمان اپنی گاڑی کے پردوں کو ہٹا کر منظر دیکھ سکتا تھا۔ سطح زمین پر گھوڑے تیز تیز دوڑ رہے تھے۔ اس کے ہمرکاب ہرکاروں کی کلغیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ سوکولی کے محافظ دستوں کے سپاہیوں کے خودوں پر روباہ کی دموں کی کلغیاں تھیں جو ہوا میں ہل رہی تھیں ان کے لبادوں پر چیتوں کی کھالیں پڑی تھیں۔ تیرھیوں مرتبہ سلطان کا لشکر دارالسلطنت سے باہر جا رہا تھا۔

اس کی سواری رومی قیصروں کے محلوں کے جلے ہوئے تونوں کے پاس سے ہو کر گزری گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سے اسے تکلیف پہنچی تھی۔ لیکن چونکہ ہزارہا تماشائی کوچ کا منظر دیکھنے کے لیے آئے تھے اس لیے فوج مردوں کی سی ست

رفتاری سے نہیں چل سکتی تھی۔ پھر وہ پرانے قصر کی بھوری دیواروں کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ اب یہاں مہر ماہ کے ایک حجرے میں اکیلی نہیں رہتی تھی۔ وہ اب جالی جا کے گورستان میں ایشیا کے آب شیریں ک کنارے اپنے مزار میں آسودہ ابدی نیند سو رہی تھی.....

اسے گاڑی کے پردوں سے جامع سلیمانیہ کے مینار نظر نہیں آئے اور نہ سرو کے درختوں کے پیچھے روکسے لانا کے چھوڑے سے مقبرے کا گنبد اس طرح گزرتے ہوئے اس نے عجب احساسات محسوس کیے۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ گردو پیش کو پلٹ پلٹ کر دیکھا تھا اور ہر بار بخیر و خوبی سفر سے واپس آ گیا تھا۔

اس کی سواری سات برجوں کے قریب سے ہو کر گزری ان میں سے ایک برج میں یہ کتبہ کندہ تھا۔

رستم کی محنت کے یہ خزانے جمع ہوئے لیکن کس کے لیے؟ پھر جوانے سر اٹھایا تو سامنے نیلے رنگ کی ایک چادر چمک رہی تھی۔ یہ برجوں کے اس پار مارمورا کا خوبصورت سمندر تھا۔

اس کوچہ میں ایک خاص کیفیت تھی کیونکہ اس سے سفر سے واپس آنا اس کی قسمت میں نہ تھا۔ اس وقت سلیمان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اور سب ابن سعود پیالی پاشا واور سوکولی کے بغیر واپس آئیں گے۔

وہ کچھ دور تک ان سب کو ساتھ لیے جا رہا تھا۔ چراگاہوں میں باقی اس کے خیمے میں حاضر ہو کے سلاطین عثمانیہ کی شان میں قصیدے سنائے تا۔ اور سہ پہر کی خنکی

میں گھوڑوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔ اور سلطان خود آہستہ آہستہ شربت پیے گا اور باقی کا کلام سنے گا۔ درباری خیمے کے تمام وزرا، فوج کے تمام آغا اکٹھے ہوں گے۔ صرف معمولی افسر پیچھے رہ گئے تھے۔ باقی ہر کوئی سلطان کے ساتھ تھا۔ سلیم کا دربار بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن سلطان کو اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ سلیمان نے ان میں سے ہر ایک سے مستقبل میں اس کے فرائض کے متعلق بات چیت کی تھی۔

اور نہ پہنچ کر مفتی اعظم اور کپتان پاشا رخصت ہوئے تا کہ دارالخلافت واپس پہنچ کر وہاں امن و انتظام برقرار رکھ سکیں۔ انہیں حکم ملا کہ سلیم کے فرزند مراد پر بھی نظر رکھیں جو ابھی سلیم کے حرم کی عورتوں کے اثر میں ہے اس حد تک کہ نجی سفر کے لیے جنگی جہاز طلب کرتا ہے۔

پہاڑیوں کے ٹھنڈے دروں میں داخل ہونے کے بعد سلیمان گاؤ تکیہ کا سہارا لیے مسلسل موسلا دھار بارش کی صدا سنتا رہا۔ وہ اس کا منتظر تھا کہ جس ڈینیوب کے کنارے بلندی پر بلگراڈ کا قلعہ نظر آئے۔

دریا طغیانی کے عالم میں تھا۔ کشتیوں پر اسے پار پہنچا دیا گیا۔ اور عرض کی گئی کہ دریاب میں وہ بار بردار اونٹ بہ گئے جو شاہی خیمہ لادے لا رہے تھے سلان نے کاغذ کو ٹٹول کر اپنا روزنامچہ لکھنا چاہا "بارش سلطان کا خیمہ طغیانی میں بہ گیا۔ یہ الفاظ اس کے ذہن میں ابھرے لیکن اس نے انہیں درج نہیں کیا۔

اس کے لیے دوسرا خیمہ ایستادہ کیا گیا ایک صاف اور روشن شام کو اس نے

موہاکس کا میدان جنگ دیکھا۔ جہاں دلدل کے پانی کی وجہ سے سرسبز و شاداب اونچی اونچی گھاس لہلہا رہی تھی۔ جب اس کی خدمت میں ہنگری کے بادشاہ جان سگسمند کو پیش کیا گیا جو جان شاپولیا کا بیٹا تھا تو وہ کوشش کر کے گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔ بہت ادب سے کھڑے کھڑے جان سگمنڈ نے اس سے آسٹریوں کی شکایت کی جو اس کے ملک پر دشمنی سے پے در پے حملے کر رہے تھے۔

سلیمان کو یہ نوجوان پسند آیا۔ اسنے اثبات میں سر ہلا کر کہا "میری فوج اس وقت تک ہتھیار نہ کھولے گی جب تک ہنگوری مُس تمہارے پایہ تخت نہ استوار ہو جائے"۔

ہنگری کے نوجوان کی پیشانی پر خوف اور دہشت کی کشمکش سے پسینہ آ گیا۔ اس عظیم طاقتور سلطان کا چہرہ ایک آہنی نقاب کی طرح سرد اور سوجا ہوا تھا اور اس چہرے میں صرف اس کی آنکھیں زندہ معلوم ہوتی تھیں۔ پاس کے عالم میں اس نے جرمن زبان میں کچھ کہا۔ سلیمان کے قریب سوکولی نے جس کی آواز بڑی گہری تھی ترجمہ کرنے کی کوشش کی وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہہ نہیں پاتا"

پولینڈ کی شہزادی کا یہ فرزند سلطان کے ڈر سے کانپ رہا تھا۔ لیکن لمحہ بھر کے اندر اس نوجوان کا چہرہ ملائم پڑ گیا۔ اس کیلبوں پر وہی بے خوف اور فرزندانہ مسکراہٹ آ گئی جو شہزادہ مصطفےٰ کے چہرے پر ہوا کرتی تھی۔ جب وہ اپنی کالی کالی آنکھیں اٹھا کے اپنے باپ کی طرف دیکھتا تھا۔ سلیمان کا سر درد و کرب سے چکرانے لگا۔ اور اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال کے حکم دیا "یہ جو کچھ طلب

کرے جو مانگے ہم اسے عطا کرنے کے لیے تیار ہیں"۔

جان سگسمنڈ کو رخصت کی اجازت ملی اور ایک گستاخی صورت سانولے افسر کو حاضر کیا گیا۔ سوکولی نے اس کا نام دہرایا ارسلان خان سلیمان نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ارسلان خان بہادر سپہ سالار تھا افیم اور شراب کی حالت تھی لیکن اس نے عدول حکمی کی تھی اور شکست کھائی تھی۔ مالٹا کے بعد سلطان کسی اور شکست کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اگر چہ اس چھوٹی سی شکست میں محض چند سو آدمی مارے گئے تھے اور چند گاؤں قبضے سے نکل گئے تھے۔ ارسلان خان نے مسکرا کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ میرے نصیب میں کیا لکھا ہے"۔

سلطان قہر و غضب سے کانپ اٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خاص اشارہ کیا اور سوکولی نے تخت کے پیچھے مسلح حاشیہ برداروں سے کچھ کہا۔ ان میں سے دو آگے بڑھے اور ارسلان خان کی موٹی سی گردن کو کمان کی تانت میں پھانس لیا۔

ارسلان خان نے اس وقت تک حرکت نہیں کی جب تک کہ تکلیف میں اس کا جسم پھڑکنے نہیں لگا۔ جلادوں نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور اس کا منکا (گردن) ڈھلک گیا اور تب سلیمان کے اشارے سے اس کی لاش ہٹا دی گئی۔

☆☆☆

سکیت میں سالگرہ

شام ہوئی تو مکتب کا جو طالب علم اس کی ذاتی خدمت پر مامور تھا۔ اس نے خیمے میں فانوس روشن کیے شاہی طبیب ایک مفرح شربت لے کر آیا تا کہ سلطان کے درد میں کمی ہو اور اسے نیند آجائے۔ ایک قاری ہاتھی دانت سے مرصع رحل پر قرآن پاک کھولے تلاوت کیے جا رہا تھا۔ اور سلطان قرات کے لحن میں محو تھا۔ ابھی سلطان کی بینائی اور سماعت میں کوئی فرق نہ آنے پایا تھا۔

ایک شام سوکولی باریاب ہوا اور اپنے سرخ لبادے کو سمیٹ کر قدم بوس ہوا۔ جو خبر وہ لے کر آیا تھا وہ زیادہ اہم تو نہ تھی لیکن اس کا سلیمان سے تعلق تھا۔ میسرے میں ایک واردات واقع ہوئی تھی۔ کچھ لڑائی ہوئی تھی جس سے سلطان کے ایک ملازم کی جان ضائع ہوگئی تھی۔

یہ واقعہ سکیت میں پیش آیا تھا۔ یہ قصبہ دریا کی وادی میں واقع تھا اور اس پر ایک بڑے جری باپس برگ سردار نکولاس کی حکومت تھی۔ یہ لڑائی جس کا سوکولی نے ذکر کیا تھا محض ایک معمولی سا واقع تھا۔

سلیمان سر ہلا کر سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے قاری کو اور اپنے خادم کو رخصت ہونے کی اجازت دی۔ اور اپنے سر عسکر کو حکم دیا "سکیت کی طرف یلغار کریں"۔

سوکولی نے اس حکم پر غور کیا فوج شمال کی طرف یلغار کر رہی تھی جہاں صلح توڑ کر

ہاپس برگوں کی ایک فوج نوجوان جوان سگمند کے علاقے میں گھس آئی تھی۔ یہ آسٹروی فوج کا ہتھیار کے پہاڑوں میں ایرلاؤ کے مقام پر تھی سوکولی کی سمجھ میں نہ آیا کہ فوج کے یلغار کا رخ بدلنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بلکہ اس میں دشواری ہوگی کیونکہ میمنے اور میسرے میں ترک اور تاتار سوار بہت دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ سوکولی نے عرض کی ''سگیت ایک چھوٹا سا مقام ہے وہاں کا قلعہ سنگین ہے اور چاروں طرف دریا کے پانی سے گھرا ہوا ہے۔ سلطان کو اسکا علم ہے اس وقت ایک بڑی مہم کو چھوڑ کر چھوٹی سی مہم کی طرف رجوع کرنے سے منشائے سلطان خادم کی سمجھ میں نہیں آیا۔

لیکن سگیت قریب تھا اور سلطان اس مقام کو دیکھنا چاہتا تھا۔

سر عسکر نے زیر لب عرض کی اس شخص زرن ئی کی شجاعت بہت مشہور ہے۔

مالٹا والے بھی بہادر تھے۔ ان کا سنگین قلعہ بھی چاروں طرف سے پانی میں گھرا ہوتھا نہ اس وقت نہ اس سے پلے کبھی سلیمان نے جنگ کے نقشے کی مصلحتوں کی کوئی خاص پرواہ کی تھی۔ اس وقت اس کی توجہ اس امر پر مرکوز تھی کہ مالٹا اور سگیت کے قلعوں میں بڑی مشابہت تھی۔ سگیت میں اسے ناکامی نہ ہوگی۔ اس نے حکم دیا ''کل میں اپنی گاڑی میں مغرب کی سمت سگیت کی جانب روانہ ہوں گا۔ تم دوسرے ضروری امور کا انتظام کرو''۔

سوکولی نے اپنا سر اٹھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اسے تلوار سے ضرب پہنچائی ہے۔ بے شمار دلائل تھے کہ یہ لکی لاکھ یلغار کرتی ہوئی فوج پتھر کے ایک حصار کی طرف نہ جھونک دی جائے جو چاروں طرف سے پانی میں گھرا ہوا ہے۔ اس نے جو با

لب کشائی کی لیکن سلطان نے سوچ کر جواب دیا:

''محمد سوکولی میں سگیت جانا چاہتا ہوں''۔

ان الفاظ سے زیادہ اس لہجے میں ایسا تاثر تھا کہ سوکولی خاموش ہو گیا۔ گویا اس کے آقا نے یہ کہا تھا ''ہاں میرے بھائی میں جانتا ہوں کہ سگیت کی مہم سے کوئی فائدہ نہیں میں جانتا ہوں کہ اس کے خلاف تمہارے پاس بہترین دلائل موجود ہیں۔ لیکن میں یہ دلائل سننا نہیں چاہتا'' سوکولی کو تعجب ہوا کہ بعض لوگوں کو سلطان کی فراست پر جو شک ہے وہ صحیح تو نہیں۔ اس وقت جو تاخیر کر رہا تھا وہ اس کے لیے مضر تھی۔

اس نے سر جھکا کر عرض کی ''جیسا حکم ہو میں تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ لیکن سگیت روانگی کے لیے کشتیوں کا سفر مناسب رہے گا۔ سگیت کا سارا راستہ کشتیوں کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔

سوکولی کو یہ مشورہ یقین کے ساتھ دے سکتا تھا کیونکہ اس کا اپنا وطن دریا کے قریب مغریب پہاڑوں میں تھا۔

سوکولی احکام جاری کرنے کے لیے رخصت ہوا۔

اس قدر بات چیت کرنے کے بعد سلیمان تھک گیا تھا۔ اس نے تکیوں کا سہارا لیا تو اب حال کی ناکامیوں کا بوجھ اس کے دماغ پر حاوی معلوم ہو رہا تھا۔ چھیالیس ساتھ تک اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ہر فیصلہ اس نے خود کیا تھا۔ یہ مناسب نہیں یہ مناسب نہیں..... شاید یہ غلطی تھی کہ اس نے آلات موسیقی کو تباہ کرنے کا حکم

دے دیا تھا۔ حالانکہ اسے خود موسیقی سے بڑا حظ حاصل ہوتا تھا..... ممکن ہے کہ یہ فتویٰ دینے میں ابن سعود نے غلطی کی ہو۔

دریائے دراوے پر جس کشتی میں وہ سوار تھا وہ ایک ہلکی پھلکی سی کشتی تھی۔ آراستہ و پیراستہ زربفت کے پردے اور کلس پر ایک طلائی ہلال جگمگا رہا تھا۔ عرشے پر ایک چھتری کے سائے میں لیٹے لیٹے سلطان اس سڑک کو دیکھتا جو ندی کے کنارے کنارے چلی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں پہاڑی دروں میں سڑک ندی کے اس قدر قریب ہو جاتی کہ سلطان لیٹے لیٹے دیکھ سکتا تھا کہ سڑک پر کیا ہو رہا ہے۔

بیل ایک بھاری محاصرے کی توپ کو آہستہ آہستہ گھسیٹ رہے تھے۔ کشتی سے بھی زیادہ آہستہ۔ کسی نے عرض کی یہ توپ کاٹ تسانز ہے اس کا نام اس آسٹریوی جنرل کے نام پر ہے جس نے بھاگ کر عثمانی عسکر میں پناہ لی تھی۔ لوگ سلطان کا دل بہلانا چاہتے تھے۔ یہ سوچ کر وہ مسکرایا۔ ایک لمحہ کے لیے اس نے سوچا کہ اگر توپیں اور بارود اور جنگی جہاز نہ ہوتے تو معلوم نہیں اس کی زندگی کیسی گزرتی۔

سڑک کے کنارے ایک پتھر پر ایک ینی چیری کھڑا ٹھنڈے پانی میں اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ٹانگ زخمی تھی۔ اور وہ لمحہ بھر کے لیے آرام لینے کو ٹھہر گیا تھا۔ اس کی ڈھیلی ڈھالی کلاہ اکے کندھے پر لڑھک آئی تھی۔ اور وہ بڑی توجہ سے بانسری بجا رہا تھا بانسری کی دلدوز سریلی لے بہتے پانی کے مدھم شور کے باوجود صاف سنائی دے رہی تھی۔

کشتی کے زربفت کے پردے دیکھ کے اس ینی چیری سپاہی نے آنکھوں پر اپنا

ہاتھ کا سایہ کرلیا تا کہ کشتی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ سکے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کشتی کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا کیونکہ پھر وہ پوری کوشش سے ہونٹ بھینچ کے اپنی بانسری بجانے لگا۔ اور پانی میں اپنی ٹانگ ہلاتا رہا۔

سلیمان یہ سارا منظر دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی چھوٹی سی کشتی ایک پہاڑی کے سایے میں پہنچی اور سورج کی روشنی سے جگمگاتا ہوا منظر دھندلا گیا گویا آسمان نے قناتیں تان دیں۔

جب اس کی گاڑی بلندی پر اس خیمہ پر پہنچی جو سگیت سے بھی زیادہ بلند پہاڑی پر نصب کیا گیا تھا اور جہاں سے سگیت صاف نظر آتا تھا تو نی چیریوں کے داروغہ نے دہلیز پر قدم بوسی کے بعد عرض کی کہ سلطان کے نیچے وادی کا منظر ملاحظہ فرمائیں۔

پردے کی اوٹ سے سلیمان نے اس دلکش وادی کا منظر دیکھا' جس کے درمیان ایک سڑک بل کھاتی چلی آ رہی تھی۔ یہ سڑک ندی کے پار گاؤں کی بھوری عمارتوں تک پہنچتی تھیں جن کی چھتیں سرخ تھیں اور چھتوں سے بھی زیادہ بلند ایک عجیب و غریب ہیئت کا قلعہ تھا۔

سگیت کے قلعے کے برجوں پر سرخ کپڑے کے پرچم لہرا رہے تھے۔ سلیمان یہ منظر دیکھتا رہا اس کے اطراف میں شاہسوار جمع ہو رہے تھے۔ اس کے جھنڈوں نے ایال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ قلعہ روشنی سے جگمگانے لگا۔ سورج کی کرنیں چکا چوند ہو کر قلعہ پر منتشر ہو رہی تھیں۔ اس کے ہم نشینوں نے عرض کی عیسائیوں نے اپنی زرہیں بلندی پر آویزاں کی ہیں تا کہ وہ دھوپ میں چمک سکیں پورا منظر جشن اور میلے

کا سا معلوم ہوتا تھا۔

قلعہ سے ایک توپ کے چلنے کی آواز سنائی دی اور جگمگاتی ہوئی کرنوں کے درمیان دھواں پھیل گیا۔

ینی چیریوں نے آغا نے جو سلطان کے قریب تھا عرض کی "اللہ کی قسم یہ حضور کے لیے توپ کی سلامی ہے"

اس طرح نکولاس زرن ئی نے سلطان کا استقبال کیا۔ سلیمان نے اس کے اور اس کے قلعے کے لیے تباہی کی سزا تجویز کی تھی۔ سلیمان سوچنے لگا کہ شاید مالٹا کے کالے پہاڑ پر اسی پرچم اور زرہیں آویزوں کی گئی ہوں گی کبھی کبھی یہ عیسائی تقدیر پر اس بے باکی سے ہنستے تھے کہ سلطان کو حیرت ہوتی تھی۔

چوبیس روز بعد سر عسکر سوکولی سلطان کے شامیانے کی خواب گاہ میں حاضر ہوا۔ اب سلطان خواب گاہ سے باہر نہ نکلتا تھا۔ فوج اتنی تھی کہ آج کی تاریخ سلطان کے اقبال کی سالگرہ ہے۔ آج کی تاریخ کو بلگراڈ کے قلعے نے اطاعت قبول کی تھی۔ اسی تاریخ کو موہاکس کی جنگ میں فتح وظفر نے اس کی رکاب چومی تھی۔ اسی تاریخ کو سلطان بودا میں داخل ہوا تھا۔ آج کے دن قصبے سے گزر کر قلعے کی سنگین دیواروں پر بڑا سخت حملہ کیا گیا تھا۔ مغرب کے وقت تک یہ حملہ جاری رہا کیونکہ فوج کے سپہ سالار چاہتے تھے کہ سلطان کو اس عیسائی قلعے کی تسخیر کی خوشخبری سنائیں۔ سلطان کی عمر اب بہتر (72) سال کی تھی، اور وہ آج کی تاریخ سلطان کو اس قلعہ کی تسخیر کی تہنیت ہدیتاً پیش کریں۔

بستر پر لیٹے لیٹے سلطان نے استفہامانہ نظریں اٹھائیں۔

سوکولی نے مختصر طور پر کہا ''ابھی تک نہیں'' اس نے خالی ہاتھ دکھا دیے اس کے دل پر آج کی مہم کی ہولناک تفصیلوں کا بار تھا۔ اس نے کوئی عذر نہ کیا اور نہ کوئی وعدہ کیا۔ ہمیں دیواروں کے نیچے سرنگ بچھانی پڑے گی۔ اس میں ممکن ہے چار پانچ ممکن ہے سات دن لگ جائیں''۔

وہ سلطان کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس انتظار کے عالم میں اس کے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہونے لگا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ سلطان کی خفگی کے ڈر سے یا اس ڈر سے کہ سلطان کوئی اور حکم دے کر اس کی تجویز میں تبدیلی نہ کر دے۔

سلیمان نے جواب دیا ''محمد سوکولی زیادہ دن لگ جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں خیمہ سے باہر نکلے ہوئے سوکولی کو یاد آیا کہ آج عمر میں پہلی مرتبہ سلطان نے دوران گفتگو اسے کوئی حکم نہیں دیا''۔

پانچویں رات کو بھی سرنگ نہ پھٹ سکی۔ اس رات بڑی خاموشی چھائی تھی۔ اطبا بھی تھک ہار کے سو گئے تھے۔ چراغ کی روشنی میں سوکولی بیٹھا ہوا تھا اس کی مضبوط انگلیوں میں ایک کاغذ تھا جس پر ایک پیغام درج تھا۔

اس چراغ کی روشنی سلطان سلیمان کے مردہ جسم پر پڑ رہی تھی۔ اب اپنے آقا کی لاش سوکولی کے شانوں پر بار امانت تھی۔

وہ سوچنے لگا کہ اس راز کو چھپانے میں زیادہ دقت نہ ہوگی۔ سلطان سلیمان کی مرضی یہ تھی کہ فوج کا یہ یلغار جلوس کی شکل اختیار کرے۔ اس لیے اور اطبا کے سوا

اور کسی کو سلطان کے لب مرگ ہونے کا معلوم نہ تھا۔ یہاں ہنگری کی پہاڑیوں میں اس کے خیمے میں اس کی لاش کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ کسی کو سلطان کی موت کا علم نہ ہونے پائے گا۔

پھر جب سرنگ پھٹے گی اور نکولاس زرن ئی اور سگیت کا خاتمہ کر دیا جائے گا تو سلطان سلیمان کے نام انعامات تقسیم کیے جائیں گے۔

اس کے بعد بند گاڑی میں سلطان کا تابوت بلگراڈ پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں تک پہنچنے میں تین ہفتے لگیں گے۔ اور تین ہی ہفتے میں تیز رو قاصد ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر قطابیہ پہنچ سکتا ہے تا کہ وہاں سے سلیم احمق کو بلگراڈ لا سکے۔ اس کے بعد سلطان کی موت کا راز ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

دنوں کو اچھی طرح گن کے سوکولی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے خواب گاہ کے چراغ بجھا دیے۔

ایک لمحہ کے لیے اس تاریکی میں محمد سوکولی نے خوف محسوس کیا۔ سلطان کے بستر مرگ سے ہٹ کر جو قدم اٹھانا تھا وہ اسی کو تن تنہا اٹھانا تھا۔ تاریکی اور خاموشی میں اس نے محسوس کیا کہ اس کا زندگی بھر کا آقا اب کسی ذمہ داری میں اس کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا۔

خیمہ کے بیرونی دروازے سے گزرتے ہوئے اس نے معمولی لہجے میں محافظ سپاہیوں سے کہا کہ سلطان آرام فرما رہے ہیں۔ اور پھر اس نے ایک قاصد کو طلب کر کے سلیمان کے بیٹے سلیم کے نام پیغام بھجوا دیا۔

۶۔ ترکوں کا زوال

سلیمان قانونی

سلیم پہلی ہی آزمائش میں ناکام رہا۔ وہ محمد سوکولی کی توقع سے بھی زیادہ کمزور نکلا۔ جب وہ کشتی پر سوار ہو کے ایشیا کے ساحل سے قسطنطنیہ پہنا تو شہر میں سلطان کی موت کی خبر پھیل چکی تھی جس کو سوکولی چھپانا چاہتا تھا۔ سرائے کے اطراف میں ینی چیریوں نے سلیم کو گھیر کے انعام مانگا اور اس نے ڈر کر ایک خطیر رقم انعام میں دینے کا وعدہ کیا اور ان سے جان چھڑا کر بلگراڈ کی جانب روانہ ہوا۔

یہاں ساری فوج سلیمان کے ماتم میں سیاہ پوش تھی۔ سلیم نے ایک خیمہ میں پناہ لی اور سوکولی کو حکم دیا کہ وہ انعام و اکرام کی تقسیم اور متعلقہ فرائض انجام دے۔ وزیر اعظم نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور یا تو اس وجہ سے کہ سلیم بے حد خوفزدہ تھا۔ یا یہ کہ اس میں تھوڑی بہت عقل موجود تھی۔ اس نے اپنے سارے دور حکومت میں اسی سخت گیر کواٹ سوکولی کو اپنا وزیر بنائے رکھا۔ سلیم ابن سعود کی طرح صرف آٹھ سال اور زندہ رہا۔ اور اس کے بعد اس کے بیٹے مراد ثالث کے دور حکومت میں بھی پانچ سال تک وزارت عظمیٰ کے فرائض انجام دیے۔

لیکن آل عثمان کا آخری شہنشاہ مر چکا تھا۔ سلیم کو اتنی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے باپ کی تدفین میں شریک ہو سکے جسے جامع سلیمانیہ میں روکسے لانا کے مزار کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ اس نے بعد میں کبھی کبھی سرائے میں بڑے فریس اور ہوشیار بادشاہ تخت نشین ہوئے اور بعض نے بڑی بڑی لڑائیوں میں حصہ لیا لیکن

جن اولوالعزم سلطانوں کا سلسلہ سلطان عثمان اول اور ارطغرل سے شروع ہوا تھا۔ وہ سلطان محمد فاتح سے ہوتا ہوا سلطان سلیمان پر ختم ہو گیا۔

سلطان عثمانیہ کی عظمت کا یہ زوال ایسا تھا جیسے کسی تماشے پر دفعتاً پردے گرے۔ یہ ہسپانوی سلطنت کے زوال سے بھی زیادہ فوری اور دفعتاً تھا۔ لیکن اسپین کے برعکس سلطنت عثمانیہ میں صدیوں تک ایک عجیب سلسلہ باقی رہی ترکوں کی قوم میں بڑی ہی غیر معمولی اندرونی طاقت و صلاحیت تھی جو اکثر سلطانوں کی نااہلی کے باوجود اس کے باوجود کہ بعض بعض سلطان محض شاہ شطرنج رہ گئے باقی رہی اور ترک قوم میں جاری ساری رہی ترک قوم باقی رہی اور وینس کی عالی شان جمہوریت مٹ گئی۔ وسیع ہسپانوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ آسٹریا کی شہنشاہی خاک میں مل گئی۔ ترک قوم غیر معمولی مضبوطی اور ثابت قدمی سے جمی رہی۔ لیکن پولینڈ کے حصے بخرے ہو گئے اور پرتگال سمٹ کے جزیرہ نمائے ہسپانیہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بن کے رہ گیا۔

سلیمان کے بعد سلاطین عثمانیہ کا یہ فوری زوال اور بحیثیت قوم ترکوں کی سخت جانی اور ثابت قدمی تاریخ کا معجزہ رہ ہے۔ اس معمے کو حل کرنے میں بہت سے مورخین سلاطین کی کمزوری کی ذمہ داری سلیمان کی کمزوریوں پر ڈالتے ہیں۔ لیکن بہت کم مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ ترکوں میں اس طرح کی اندرونی طاقت بہم پہنچانے میں سلیمان نے بڑی خدمت انجام دی۔

سلیمان نے خود اپنی مدافعت میں بہت کم لکھا ہے۔ وہ سفیروں سے ساری گفت

وشنید اپنے وزیروں کے توسط سے کرتا۔ یورپ والوں کو وہ اپنے چھیالیس سالہ دور حکومت میں محض اپنی دہشت ناک اور تیز طرار فوج کا سپہ سالار نظر آتا ہے۔ اس کے اپنے کردار پر ایک مکمل پردہ سا پڑا ہوا ہے۔ صدیوں تک اس پردے کے ساتھ تعصب کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔

راجر میری من لکھتا ہے ''جتنا اس کے کردار کا مطالعہ کیا جائے اتنا ہی اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے''۔

سلیمان کی شخصیت کا راز حل کرنے میں اس کے عمل اور فیصلوں کا امتحان ضروری ہے کیونکہ ان کا اس کی موت کے بعد گہرا اثر پڑا وہ ایک سیدھا سادہ ترک تھا۔ اس کی کہانی جتنی کچھ لکھی گئی ہے وہ مختصر ہے۔ لیکن دراصل یہ ترک قوم کی کہانی ہے۔ اور اس زمانے میں ترکوں کی کہانی جب کہ انہوں نے تین براعظموں کی تقدیر کا فیصلہ کیا تھا۔

اس کے مرنے کے بعد بھی اس معاملے میں اختلاف رہا کہ اصلی سلیمان کیسا تھا۔ اہل یورپ اسے سلیمان عالی شان کہتے تھے کیونکہ انہیں وہ عالی شان نظر آتا تھا۔ اس کے ہم وطن اسے سلیمان قانونی کہتے تھے۔ مختصر وقائع عالم میں جب اس کے سنہ وفات 1566ء کا ذکر آتا ہے تو اسے ایک ظالم تعبیر کیا گیا ہے جو عالم عیسائیت کے لیے مصیبت تھا۔ شاہ طماسپ نے کہا کہ اس کے عہد حکومت پر دو بڑے بدنما داغ ہیں ابراہیم کا قتل اور مصطفےٰ کا قتل۔

سلیمان کی موت سے نصف صدی بعد پروٹسٹنٹ انگلستان کے مورخ رچرڈ

نولس نے اس کی وفات کا یوں ذکر کیا ہے۔ ''محمد پاشا کوسولی نے سگیت میں ایک صوبہ دار متعین کیا۔ منتشر افواج کو جمع کیا اور بلگراڈ کی جانب واپس روانہ ہو گیا اس طرح کہ وہ سلطان کی اش نشست کے عالم میں گھوڑا گاڑی میں ساتھ ساتھ تھی۔ اس نے یہ خبر مشہور کر دی کہ سلطان گٹھیا کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ ینی چیریوں نے یقین کر لیا کیونکہ کئی سال سے سلطان اسی طرح بیمار تھا۔ اور اسی طرح بند گاڑی میں سفر کیا کرتا تھا۔ پھر بھی وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے کہ سلطان ان کے درمیان تھا۔ حالانکہ وہ اب بہت ضعیف ہو گیا تھا اور کوئی مہم نہ سر کر سکتا تھا'' (سلیمان کے اس آخر سفر میں قضاء قدر کی ستم ظریفی نظر آتی ہے کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں اس فوج کی تنظیم و تربیت کی تھی)..... اس کا قد لمبا تھا چہرہ لمبا تھا' گردن دراز تھی' اس کا رنگ زرد تھا اس کی ناک لمبی اور خم دار تھی (فطرتاً وہ اولوالعزم اور فیاض تھا اپنے پیشرو ترک سلطانوں کے مقابل اپنے وعدے کا بڑا پابند تھا اگر اس میں کوئی ''کمی'' تھی تو محض یہ کہ وہ عیسائی نہیں تھا)۔

اس انگریز نے سلیمان کی سیرت کی ایک بڑی اہم بات بیان کی ہے۔ سلیمان سلطنت کا اہل تھا (اپنی ضخیم ''تاریخ ترکاں'' میں اسنے ترکوں کی شاندار سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے ترکوں کو دنیا کے لیے خطرہ قرار دیا ہے) ترک خطرناک سہی مگر بڑی اعلیٰ درجے کی قوم تھے اور سلطان سلیمان کوئی ہستی منفرد نہیں وہ ترک روایات کی پیداوار تھا۔

باقی نے بڑے سوز و گداز سے سلطان کا مرثیہ لکھا وہ سلطان کو شہید اور غازی

لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے مرنے سے قوم یتیم ہوگئی۔

''کیا سلطان اب صبح دم اس خواب گراں سے بیدار نہ ہوگا؟ اپنے روکش فلک خیمے سے برآمد نہ ہوگا؟ ہماری آنکھیں راستہ تکتی رہ گئیں اس کی خبر نہ ملی''۔

مرثیہ کے ساتھ غیر متوقع طور پر رزمیہ انداز بھی ملتا ہے۔

''ساری دنیا میں تو نے حق کو پھیلایا تیرے زرہ پوش جانبازوں نے تیغ بکف ہو کر حق کا علم بلند کیا''۔

ان الفاظ پر مرثیہ ختم ہوتا ہے غور کرنے کی بات ہے کہ باقی نے ''مذہبی اعتقاد'' یا ''فتح'' کا ذکر نہیں کیا اس نے حق کا لفظ استعمال کیا ہے۔

سلیمان نے حق کی نگہبانی کس طرح کی اس کی صراحت مشکل ہے کیا اس کا اظہار نسلی رواداری کی سی صفت سے ہوتا ہے۔ (ایسے زمانے میں جب کہ اسپین سے اقلیتوں کو ملک بدر کیا جارہا تھا) کیا یہ افراد اس حق کی نگہداری کررہے تھے کہ ان کا کوئی مذہب سہی قانون ان کا یکساں تحفظ کرے گا۔ (ایسے زمانے میں جب کہ یورپ میں بدعقیدہ اور بدعتی لوگوں کو منظر عام پر جلایا جاتا تھا) یا یہ کہ انسانوں کے لے اس نے ایک مثالی سلطنت قائم کی (جس کا تصور ٹامس مور کی کتاب میں ملتا ہے جو اس زمانے میں لکھی گئی جب کہ انگلستان میں فقیروں کے پاوں توڑ دیے جاتے تھے یا انہیں پھانسی دے دی جاتی تھی)۔

سلیمان خواب نہیں دیکھا کرتا تھا۔ اس کی ہر تعمیر ترک روایات کی بنیاد پر تھی۔ اس نے خود کوئی چیز اختراع نہیں کی۔ اس نے پرانے دستور کو محض اپنے زمانے پر

منطبق نہیں کیا بلکہ اس کو ترقی دے کر اپنے زمانے سے آگے بڑھا دیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے تصورات جدید زمانے کے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے ترکوں کی طرح سوچتا تھا مثلاً اس کے مکتب کا دستور سلطان محمد فاتح کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ سلیمان نے صرف اتنا کیا کہ ظلم و نسق حکومت کو شاہی خاندان کے لوگوں سے نکال کر مکتب کے فارغ التحصیل نوجوان کے سپرد کر دیا۔

اس کے زمانے میں ترک سلطنت میں زمانہ جدید کی جمہوریت کی سی ایک صفت تھی۔ سلیمان خود عوام سے ملنے سے کتراتا تھا..... حالانکہ محمد فاتح ہر ایک سائل سے خندہ پیشانی سے ملا کرتا تھا۔ بجائے براہ راست ہر سائل سے ملنے کے اس نے عوام کی بہبود کا یہ عام راستہ تجویز کیا تھا کہ معاشی حالات اور قانون کی اصلاح کی جائے۔ اسی لیے اس کی رعایا نے اسے مرنے کے بعد سلیمان قانونی کا سچا خطاب دیا۔

اس کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو ترکوں کا علاقہ خیمہ گاہوں پر مشتمل تھا۔ اس نے بہت سی خانقاہیں' مسجدیں اور مکتب تعمیر کیے۔ (حالانکہ اس زمانے میں یورپ میں نشاۃ الثانیہ کے زیر اثر صرف امرا کے قصر بن رہے تھے جیسے ہسپانیہ میں اسکوریال' اٹلی میں میدی چی اور ایسٹے خاندان کے محل' فرانس میں والوآ خاندان کے قصر' انگلستان میں ٹیوڈر خانوادے کے مکانات) اپنے خاندان کے لیے سلیمان نے جو مسجدیں بنوائیں وہ آج بھی قسطنطنیہ کے آثار الصنادید میں قابل دید ہیں۔ ساتھ ہی اس کے ساتھیوں کے آثار ہیں جیسے باربروسا

کا چھوڑا سا مزار جس کے قریب ہی بچوں کے کھیل کا میدان ہے۔ پیالی پاشا کا مزار پانی کی نہر کے کنارے ہے۔ یہی اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد بھی سمندر کی لہریں مجھ سے دور نہ رہیں۔ مسجد سلیمانیہ کے علاقے کی مرمت ہو رہی تھی۔ یہ علاقہ جامعہ استنبول کے قریب ایک بلندی پر واقع ہے۔ اناطولیہ کے جس شہر میں جائیے وہاں آپ کو یا تو ایک بڑی سادہ و حسین سی مسجد ملے گی یا ایک دلکش فوارہ اور وہاں کے لوگ آپ کو بتائیں گے کہ یہ صنعان کا بنایا ہوا ہے۔ ترکوں پر یہ مثل صادق ہے کہ ''جو ہوتا رہا ہے وہی ہوگا''۔

☆☆☆

مدعی

سلیمان کے بعد اس حیرت ناک طور پر ترک مسلمانوں کو زوال آیا کہ ترک مورخوں نے اس کی وجوہات سلیمان قانونی کے عہد کی حکومت میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تین پشت بعد ایک دیانت دار ترک مورخ کوجہ بیگ نے عثمانیوں کے زوال کے سبب کو سلطان سلیمان سے یوں منسوب کیا ہے۔

۱۔ اس نے دیوان میں نشست ترک کر دی۔ اس طرح وہ ایشیائی رواج ترک کر کے اپنے مشیروں اور مدار المہاموں سے دور ہو گیا۔

۲۔ اس نے ابراہیم اور رستم کو کسی ذاتی قابلیت کی بنا پر نہیں بلکہ محض اس بنا پر ترقی دی کہ وہ اس کے منظور نظر تھے۔ رستم کو اس نے وزارت پر خلاف قانون متعین کیا کیونکہ وہ اس کا داماد تھا۔

۳۔ رستم اور روکسے لانا کی وجہ سے حرم سرا کی عورتوں نے وزراء کے ساتھ مل کر سازشیں شروع کیں اس طرح خواجہ سراؤں کا اثر بہت بڑھ گیا۔

۴۔ ابراہیم اور رستم نے جو دولت جمع کر لی اور پھر اسے وقف کر دیا اس سے سرکاری مالیہ کو نقصان پہنچا۔

ان الزامات کی بنیاد پر خوجہ بیگ نے سلطان سلیمان کو ملزم قرار دیا ہے۔ ان چار صورتوں میں اس نے آئین کی خلاف ورزی کی اور سلطنت کو نقصان پہنچایا اس نے اپنی مطلق العنانی سے ان معاملات میں آئین کی خلاف ورزی ضرور کی دیوان کے

اوپر وہ کھڑکی ابھی تک موجود ہے جہاں سلیمان کی نشست ہوا کرتی تھی۔ اور آج بھی سیاحوں سے کہا جاتا ہے کہ سلطان نے غلطی کی جو دیوان کو چھوڑ کر اس کھڑکی میں بیٹھنا شروع کیا۔ لیکن یہ الزام غلط ہے سلیمان دیوان عام میں شریک نہیں ہوتا تھا لیکن اور طریقوں سے غیر معمولی طور پر وہ امور سلطنت کی بہ نفس نفیس گرانی کرتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ استنبول میں طاعون کی وبا پھیلی اس زمانے میں رستم زندہ تھا۔ اوگیر بوزبک نے شہر سے باہر ایک جزیرے میں جا رہنے کی اجازت مانگی تا کہ وہاں کی چڑیوں اور مچھلیوں کا بھی لگے ہاتھوں مطالعہ کرتا رہے اسے جانوروں سے بڑا شغف تھا۔ رستم نے کہا کہ یہ ہو تو جائے گا لیکن سلطان کی اجازت لینی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اسے شہر میں اوگیز بوزبک کے خدام نظر نہ آئے تو پوچھے گا ضرور کہ بوزبک میری اجازت کے بغیر شہر سے کیسے منتقل کیا گیا بوزبک کو بالآخر جزیرہ جانے کی اجازت مل گئی۔

سلیمان اصل میں یہ تجربہ کر رہا تھا کہ وہ منظر عام پر نہ آئے تب بھی خوش اسلوبی سے حکومت چلتی رہی۔ ایسا ہی تجربہ اس نے فوج کے ساتھ بھی کرنا چاہا تا کہ اس کی غیر موجودگی میں بھی فوج کی کارگزاری میں فرق نہ آنے پائے۔

اب رہا وزیروں کا معاملہ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح اپنی مرضی سے وزیروں کو منتخب کرنے میں اس نے رواج شکنی کی۔ لیکن وہ خود بڑا مردم شناس تھا۔ اس کے تین وزیر ابراہیم رستم اور سوکولی بڑی چوٹی کے آدمی تھے۔ تینتالیس سال ان تینوں نے عنان وزارت سنبھالی اور سلطنت کو بہت ترقی دی۔ اور استحکام بخشا۔

اس معاملہ میں سلیمان نے بڑی ہمت کرکے یہ نیا تجربہ کیا کہ قلمدان وزارت کو خانوادہ عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکال کر برے ہی فریس اور مدبر وزیروں کے سپرد کیا۔ اپنی آخری بیماری میں اس نے اس تجربے کی تکمیل کی کوشش کی لیکن اس تجربے کی ابتدا اس نے اپنی سلطنت کے آغاز کے زمانے میں ابراہیم کے تقرر کے ساتھ کی تھی۔

اس زمانے میں نشاۃ ثانیہ کی وجہ سے دنیا بدل رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کو اپنی اور اپنے جانشینوں کی ذات پر اتنا اعتماد نہیں تھا کہ وہ اس کی عظیم الشان سلطنت کا بار تن تنہا اٹھا سکیں گے۔ اس سے پہلے کی سلطنت فوجی سلطنت تھی۔ جس میں اس کے پیرو یہ بار اٹھاتے آئے تھے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہیکہ مصطفےٰ اور بایزید کے قتل کے باعث سلطنت سلیم احمق کے ہاتھ میں آئی اور اس طرح آل عثمان کے زوال کا آغاز ہوا۔ اس کا امکان ہے کہ سلیمان اپنے لڑکوں میں غداری کی کمزوری محسوس کی، اور غداری کے ابتدائی آثار دیکھتے ہی بے دردی سے انہیں کچل ڈالا۔ باقی نے اسے تقدیر کی طرح اٹل لکھا ہے۔ سلیمان نے بے دردی سے جتنے قتل کیے اپنے ہی گھر میں کیے (فرہاد پاشا اور ابراہیم بھی اس کے بہنوئی تھے)۔

اس ابتدا کا انجام اچھا ہونے والا نہیں تھا۔ کیونکہ کچھ عرصہ بھی سلیمان اور سوکولی باقی نہیں رہے۔ سلطانوں کے منظور نظر وزیر بننے لگے اور وزیروں کے منظور نظر دوسری خدمتوں پر ممتاز ہونے لگے۔ لیکن محل کے مکتب میں وہی سخت تربیت اور تعلیم جاری تھی۔ اور اسی مدرسے سے کچھ عرصہ کے بعد کوپرولو خاندان کے تیز اور ذہین وزیر پڑھ لکھ کر نکلے جنہوں نے دم توڑتی ہوئے سرائے باب علی کو نئی زندگی بخشی۔

عرصہ بعد جب تاریخ نے امتحان لیا تو وزری سلطانوں سے زیادہ قابل اور مدبر نکلے۔

1578ء میں محمد سوکولی کے مرنے کے بعد وزارت اور حرم سرا کے مابین طاقت کے حصول کے لیے کشمکش شروع ہوگئی۔ لیکن محل کے مکتب میں وقار اور سکون کی طاقت باقی رہی' کچھ عرصہ بعد خراج میں لڑکوں کے وصول کرنے کا طریقہ مسدود ہوگیا اور ترک مکتب میں بھرتی ہونے لگے۔ اٹھارہویں صدی تک اس مدرسہ کا نصاب دنیا کے اور کسی مدرسے کے نصاب سے پیچھے نہ تھا۔ اس مدرسے کی روایات اس صدی کے آغاز تک برقرار رہیں۔

جس تعلیم کا مقصد یہ ہو کہ فرد واحد کی قدرتی صلاحیتوں کی پوری نشوونما کی جائے اس کا تصور ہر لحاظ سے جدید ترین کہلانے کا مستحق ہے" ان الفاظ میں پروفیسر البراٹ لائی بار نے نظم ونسق کے اس مکتب کا ذکر کیا ہے انہوں نے نظم ونسق پر بڑی وقت نظر سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں آگے چل کر انہوں نے لکھا ہے "سلیمان اعظم کے دور حکومت میں کوئی انسانی ادارہ اس مکتب کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا...... خاص طور پر طاقت' سادگی' اور تیزی عمل کی صفات میں کسی اور ادارہ کی ملک میں اور ملک سے باہر اتنی عزت نہ کی جاتی تھی"۔

☆☆☆

حرم سرا کی حکومت

سلیمان کے ساتھ وہ قوت ختم ہوگئی جو تقدیر کی طرح اٹل تھی۔ یہ وہ قوت تھی جس کے ذریعہ آل عثمان کے سلاطین اب تک ترک قوم پر حکومت کرتے آئے تھے۔ سلیم ثانی نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی ڈیڑھ سو خوبورت بیویوں اور خواصوں ک ساتھ حرم سرا میں سکونت اختیار کر لی۔ شروع میں تو آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر عثمانی سلاطین کو کنیزوں کو حرم میں داخل کرنے کی سزا بھگتنی پڑی۔ جیسے جیسے ان عورتوں پر نگرانی کی کمی ہوتی گئی انہوں نے وحشیانہ طور پر پہلے تو اپنے حقوق و اثر پھر دولت اور پھر بالآخر طاقت کے لیے لڑنا شروع کیا۔

کہا جاتا ہیکہ اس کا آغاز روکسے لانا سے ہوا۔ ابتدا ہی سے اس نے نظر قائم کی' محفوظ سرائے باب عالی میں روکسے لانا کی آمد خطرناک ثابت ہوئیل۔ سرائے کی بارہ دریوں اروجھروکوں سے یہ عورتیں آسانی سے دیوان کے وزراء کی کانا پھوسی کر سکتی تھیں۔ ان عورتوں کے نگہبان حبشی خواجہ سرا تھے اور محل کے باہر سفید فام ینی چیریوں کا پہرہ رہا کرتا تھا زنانخانے کی تخت گاہ سے شاہی خزانہ دور نہ تھا۔

ان تمام نقشوں اور اس سارے محل وقوع سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ سلطان کے حکم میں زیست و مرگ کی طاقت تھی۔ اگر عورتیں سلطان پر قابو پا لیتیں تو پھر یہ ان کی اپنی طاقت بن جاتی۔ سلیمان خود ایک عورت کے زیر اثر آ چکا تھا' حالانکہ وہ پوری طرح اسکی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ سلیم پر مدہوشی کا عالم ہو یا ہوش کا

آسانی سے عورتوں کی گرفت میں آ سکتا تھا۔ لیکن اسنے سلطنت کے اعلیٰ امور کو محمد سوکولی کو تفویض کر دیے تھے جو حرم سرا کے حلقہ اثر سے باہر تھا۔ لیکن جوں جوں سلیم کی مدہوشی بڑھتی گئی اس کی پہلی قدن نور بانو کا اقتدار حرم سرا میں بڑھتا گیا۔ وہ مراد کی ماں تھی اس لیے سلیم کے مرنے کے بعد اس نے خود سلطان والدہ کا لقب طلب اور اختیار کیا۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ سلطان والدہ نے خاص سرائے باب عالیل میں اپنا جداگانہ دربار لگایا۔ نور بانو نے اس کی اجازت نہ دی کہ اس کے بیٹے کی پہلی قدن اس کی ہمسری کرے۔ اندرونی تخت گاہ کو اس نے سچ مچ تخت گاہ بنایا۔

پھر جب کہن سال سوکولی کو قتل کر دیا گیا تو عورتوں کے اقتدار کے راستے میں آخری رکاوٹ جو حائل تھی رفع ہوگئی۔ اسکے بعد جو صدی شروع ہوئی، اسے ترک ''قدن لر سلطنت'' (حرام سرائے کی مس بوباؤں کی سلطنت) کا زمانہ کہتے ہیں۔ مراد کی منظور نظر ایک بڑی خاص لڑکی تھی۔ جو وینس کے معزز بافو گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ حرم سرا میں اس کا نام صفیہ تھا۔ اس کے بال یا سنہرے تھے یا سرخ یا تو اسے کسی ترک کپتان نے کسی جہاز میں گرفتار کیا تھا یا ہوشیار اہل وینس نے اپنے کسی جاسوس کے ذریعے اسے حرم میں پہنچوا دیا۔ یہاں وہ وینس کے مفاد کے لیے کوششیں کرتی اور روکسے لانا کی طرح کوشاں رہتی کہ مراد کے اس کے اپنے بطن کی اولاد تخت نشین ہو۔

چونکہ مراد کو عورتوں سے بڑی رغبت تھی اسی لیے اس کی والدہ نور بانو اس کے لیے کوشش کر کے بڑی اچھی اچھی لڑکیاں تلاش کرتی تا کہ وہ خطرناک صفیہ کے زیر

اثر نہ آنے پائے اس طرح کی رقابت کو رفع کرنے کی مراد نے کوئی کوشش نہ کی۔ اس کے باکی نظیر اس کے سامنے تھی جو صرف حرم سرا سے سروکار رکھتا تھا۔ اور جس نے سلطنت کے تمام امور دیوان کے سپرد کر دیے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے لیے اس کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ سلطنت کا وقار بڑھ گیا اور فرانس کی طرح وینس کے باشندوں کو بھی خصوصی مراعات عطا کیے گئے باروں سے بے شمار لڑکیوں کی خرید کی وجہ سے خواجہ سرائے حرم کے اثرات و رسوخ میں بڑا اضافہ ہو گیا۔ صفیہ کا فوجوں اور بیڑوں کی نقل و حرکت میں بڑا دخل تھا۔ اور اس معاملے میں غالباً وہ وینس والوں کے اشاروں پر ناچتی تھی۔ ایک یہودن جوہری جس کا نام کیا رتسا تھا اس کے اور وینس کی میگنی فی کا کا مونی تا کے درمیان نامہ بری اور مخبری کا کام انجام دیتی تھی۔

اس کے عروج کے زمانے میں مراد کے انیس بیٹے قتل کیے گئے جو دوسری عورتوں کے بطن سے تھے۔ وہ آگے چل کے سلطان والدہ ہونے والی تھی۔ کچھ عرصہ کے لیے اس نے بڑی قوت حاصل کر لی۔

جب اس کا بیٹا محمد ثالث کے نام سے تخت نشین ہوا تو صفیہ نے دیکھا کہ اس کے مخالفین کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ حرم کے اندر تو وینس کے رہنے والی یہ سلطان والدہ محفوظ تھی لیکن حرم سرا کے باہر ساری دنیا اسے خونی سمجھتی تھی۔ وہ کھڑکی کی جالی سے دیوان کے مباحث سنتی لیکن اس کی کبھی ہمت نہ پڑتی کہ جالی کے باہر قدم رکھ سکے۔

جب صفیہ اور وزراء سلطنت کے مابین مخالفت بہت شدید ہو گئی تو اس نے اپنے لڑکے کے لیے دلالی شروع کی اور طرح طرح کی نئی لڑکیاں محمد ثالث کے لیے

فراہم کرنی شروع کیں تا کہ وہ انہیں میں الجھا رہے اور کسی امر کی توجہ نہ کر سکے۔ لیکن جب شمالی سرحد پر بغاوت ہوئی تو سپہ سالاروں کو اس کا موقع مل گیا کہ وہ محمد ثالث کو حرم سرائے سے باہر نکال کے ہنگری لے چلیں۔ سلیمان نے کئی مرتبہ ہنگری کی جانب یلغار کیا تھا۔ اب تیس سال بعد پھر ایک ترک سلطان نے ہنگری کا رخ کیا۔

جب حرم سرا سے دور ہونے کے باوجود سلطان محمد ثالث حرم کی عورتوں کے عشق کو فراموش نہ کر سکا تا صفیہ کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت جو باقی رہی گئی تھی اختیار کی گئی۔ دوسری عورتوں کے خواجہ سراؤں نے سوتے میں صفیہ کا گلا گھونٹ کے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ اس قسم کا پہلا قتل تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس طرح کے قتل عام ہو گئے۔

ان سارے ہنگاموں کا مرکز حرم سرا تھی جس کی آبادی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ اب سلطان کی اولاد آئندہ طاقت حاصل کرنے کا پروانہ سمجھی جانے لگی ہر لڑکے کو بڑی احتیاط سے حرم ہی کی چار دیواری میں رکھا جاتا اور سن بلوغ کو پہنچنے تک ہر لڑکا عورتوں کی سازشوں میں گھرا رہتا۔ حرم کی قید کا اثر اگلے سلطان میں نمودار ہوا جو حرم سرا ہی میں بند رہا اور قدنوں اور ان کی کنیزوں کے زیر اثر اس نے ساری عمر گزار دی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ینی چیریوں کے آغا کی طاقت بڑھ گئی (جس طرح رومتہ الکبریٰ میں پرے ٹوین محافظ دستہ قیصروں کے محلات کی حفاظت کرتا تھا، وہی صورت اب اس کے ینی چیری دستے کی سرائے باب عالی میں تھی) جب تک ینی چیریوں کے قصلر یا آغا کی مدد حاصل نہ ہوتی کوئی عورت اپنی قوت کو مکمل نہ سمجھتی۔

طاقت کے اس مثلث میں ایک اور پہلو بھی شامل ہو رہا تھا یہ تیسرے صحن کے فوجی مکتب کے لڑکے تھے۔

حرم سرا کے دروازوں سے افواہیں نکل نکل کر پھیلنے لگیں۔ ایک دروازے کے نام باب دوشالہ پڑ گیا۔ دوسرا باب ایت مستورات کہلانے لگا۔ شاخ زریں کے اس پار کی غلطہ میں طرح طرح کی رنگین کہانیاں مشہور ہونے لگیں اور یہ افسانے سیاحوں کی زبانی یورپ بھر میں پھیلنے لگے جب یہ سیاح قسطنطنیہ سے واپس جاتے تو اپنے ساتھ سرائے باب عالی کے متعلق طرح طرح کی گندی کہانیوں کے تحفے دوسروں کو سناتے جاتے۔ ان سب باتوں کے باوجود کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا کہ کوئی قدن اتنی طاقت حاصل کر لیتی کہ سلطنت کے معاملات میں دخل اندازی کر سکے۔ اور اتنی طاقت اس کو اس وقت ہی حاصل ہوتی جب وہ خود معمر ہو چکی ہوتی۔ اور حرم سرا کی جوان عورتوں پر اقتدار قائم رکھنے کے لیے اسے بڑی کوشش کرنا پڑتی۔

حرم سرا کی عیاشی اور یہیں بے شمار اولاد کے پیدا ہونے اور بڑھنے سے آل عثمان کی اندرونی طاقت سلب ہو گئی۔ محمد ثالث کا ایک پوتا یقینی طور پر پاگل ہو گیا تھا۔ ایک اور پوتے عثمان کو ینی چیریوں نے قتل کر دیا۔

اس وقت حرم کی ایک اور اولین خاتون جس کا نام کلثوم تھا' وہ مقام حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو ایک زمانے میں صفیہ کو حاصل تھا۔ لیکن اس کے بیٹے مراد رابع نے حرم سرا کے اثر سے نکل کر فوجوں کے ساتھ میدان جنگ کا رخ کیا۔ وہ نوجوان تھا شراب نوشی اور بیماری سے وہ کمزور ہو گیا تھا۔ اور سلیم ثانی کی طرح وہ بھی طرح

طرح کے اعصابی خوف کا شکار رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سورج گرہن میں محض وہم اور دہشت سے اکی موت واقع ہوئی

ممکن ہے کہ مراد اور اس کے بھائی ابراہیم کے دماغ میں بھی خلل ہو۔ بہر حال ان کی ماں کی بے رحم سازشی چالوں کی وجہ سے حرم کی ان ساری دبی ہوئی قوتوں کو بھر ہیملٹ کے ڈراما کا سا انجام ہوا۔

جواں سال مراد جب اپنے خیمے میں لب مرگ تھا تو اپنے اطمینان کے لیے اس نے حکم دیا کہ اس کے بھائی ابراہیم کو اس کے مرنے سے پہلے ہی قتل کر دیا جائے۔ یہ دونوں بھائی آل عثمان کے تاجدار خانوادے کے آخری چشم و چراغ تھے۔ ان کے بعد اس خاندان کا نشان مٹ جاتا۔ مراد نے اپنے ایک منظور نظر تیغچی کو پانے بعد سلطان بنانے کے لیے نامزد کیا تھا۔ اس نے ابراہیم کے قتل کا حکم دے دیا۔ جو اسی کے قصر کے ایک حجرہ میں پاس ہی قید تھا (کچھ عرصہ بعد نیچر کا طریقہ رائج ہو گیا) جس میں سلطان وقت اپنے بھائیوں کو مقید کر دیتا کہ وہ باہر کسی اور سے راہ و رسم نہ پیدا کر سکیں) اگر مراد کے حکم کی تعمیل کر دی جاتی تو خاندان عثمانیہ کا خاتمہ ہو جاتا اور ترک قوم کی تقدیر میں بڑی گہری تبدیلی ہوتی۔

لیکن اس نازک موقع پر مراد کے ذاتی خدام نے خوفزدہ ہو کر سلطان کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ کلثوم نے بھی انہیں سختی سے اس کی ممانعت کر دی تھی۔ انہوں نے لب مرگ مراد کو یہ جھوٹی اطلاع دی کہ ابراہیم کا گلا گھونٹ دی گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مراد کے بعد اپنے قید خانے میں ابراہیم اس قدر خوفزدہ ہو گیا کہ

جب قاصدوں نے اسے باہر نکالنے کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا تو اسنے اپنی حفاظت کے لیے اپنے اطراف بہت سی چیزیں جمع کرلیں۔ جب اس کی تاج پوشی ہوئی اور اس کی کمر سے خانوادہ عثمانی کی موروثی تلوار باندھی گئی تو بھی وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ وہ ہر وقت اپنی ماں اور اپنے اطراف کی سازشوں سے اس قدر خائف رہتا کہ بڑی مجنونانہ حرکتیں کرتا۔ اوان خونخوار (جس کا انتقال ہوئے اب دو پشتیں گزر چکی تھیں) سے بی زیادہ اس نے اطراف تصورات اور مفروضات کی ایک دنیا بنالی تھی۔ وہ من مانی کرتا اور جو اسکی راہ میں حائل ہوتا اکا کام تمام کردیتا ابراہیم کے آٹھ سالہ دور حکومت میں حرم سرا نے وزراء اعظم ونسق پر قطعی طور پر اقتدار حاصل کرلیا تھا۔ لیکن یہ اقتدار بے سود تھا۔

ابراہیم نے اپنے قابل اور زبردست وزیر قرا مصطفےٰ کو قتل کرادیا۔ اس کی جگہ جو وزیر مقرر ہوا وہ سلطان کی عجیب وغریب حرکات اور بیہودہ خواہشات کے معاملے میں قطعاً دخل نہ دیتا تھا۔ کلثوم کا بھی اسی میں فائدہ تھا کہ اس کے معاملات میں دخل نہ دے۔ یہ نیم مجنوں نوجوان جس نے قید میں آٹھ سال ہر لمحہ جلاد کا انتظار کرتے کرتے گزارے تھے اب رومی قیصر کیلیل گولا کی طرح حرم سرا کے دوسرے ساکنوں سے بدلہ لیتا رہا۔

اسکی ساری عجیب وغریب خواہشیں پوری کردی جاتیں۔ اسے عصر میں اور خاص طور پر ابلیم کی تیز خوشبو میں لپٹے رہنے کا شوق تھا۔ اسے سمور بہت پسند تھے (ساری سلطنت میں ابلیم اور سمور اسکے لیے تلاش کیے جاتے)۔

خوشبوؤں کے بعد اسے جواہرات کا خبط ہوا۔ وہ ایسے نادر نادر جواہرات خریدتا کہ ان کی وجہ سے خزانہ خالی ہو گیا۔ جو عورتیں اس کی ذلیل حرکتوں کا نشانہ تھیں وہ بدلہ لینے کے لیے ان بازاروں کے جواہرات اور ملبوسات پر قبضہ کر لیتیں جہاں خرید و فروخت کا کام شریف عورتیں کیا کرتی تھیں۔ ابراہیم کو ایک دھن یہ سمائی تھی کہ بازار کی دکانیں دن بھر اور رات بھر کھلی رہا کریں۔

سرائے کے باہر اس کے جنون کا ایک مدھم سا اندازہ ہوتا تھا۔ خزانے کے دفتر دار کہتے تھے کہ حرم سرا کے اخراجات کبھی اس قدر نہیں بڑھنے پائے تھے۔ جس قدر کہ اس زمانے میں جب کہ خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر کسان دیکھتے ہیں کہ ابراہم کی ڈاڑھی میں جواہرات جگمگا رہے ہیں۔ اور وہ اسے فال بد سمجھتے۔ ان چند سالوں میں حرم سرا کے اس دروازے سے جسے عورتوں کے جنازوں کا دروازہ کہتے تھے بیشمار میتیں نکالی جاتیں۔

ایک شخص نے ایک بار سرائے کے اس دروازے کے قریب جو سمندر کے کنارے ہے گہرے پانی میں غوطہ لگایا اور چیختا ہوا باہر نکل آیا۔ اس نے سمندر کی تہہ میں مردہ عورتوں کی قطاریں کی قطاریں دیکھیں جو تھیلوں میں لپٹی ہوی ادھر سے ادھر تیز دھارے میں جنبش کر رہی تھیں۔ (حرم سرا کی ان عورتوں کا چپکے سے گلا گھونٹ دیا جاتا تھا پھر انہیں تھیلوں میں سی کے ان کے پیروں سے وزنی پتھر باندھ دیے جاتے اور رات کو کشتی میں لے جا کے انہیں سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ وزنی پتھروں کی وجہ سے ان کے پیر تہ میں نصب سے ہو جاتے اور ان کے جسم پانی میں

کھڑے ہو جاتے۔)

حرم سرا پر سلطان کے مجنونانہ افعال کی حکومت تھی اور ساری قوم پر حرم سرا کی حکومت تھی۔ ان بدعنوانیوں کے خلاف عوام کی ناراضی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک فوج اور مدارس کے سربرآوردہ کے ایک وفد نے سلطان کلثوم سے مطالبہ کیا کہ ابراہیم کو تخت سے اتار کر پھر سے قید کر دیا جائے۔ اور اس کے نوعمر لڑکے محمد کو تخت نشین کیا جائے۔

جب ابراہیم نے یہ ماننے سے انکار کر دیا تو شورش میں سپاہی بھی شریک ہو گئے اور مفتی اعظم کے فتوے کے مطابق ابراہیم کے قتل کا مطالبہ کیا۔ اس طرح اس عثمانی سلطان کو مفتی اعظم کے فتوے کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔

معمر کلثوم اس کے لیے تیار نہ تھی کہ اپنی طاقت نئی سلطان والدہ ترخان سلطان کے حوالے کر دے۔ ینی چیریوں کے آغا کو اس نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ابھی اس کے پاس ایک اور چور پتا تھا۔ اس نے یہ سازش کی تھی کہ ینی چیری نوعمر محمد کو تخت سے اتار کے اس کے چھوٹے بھائی کو سلطان مقرر کر دیں۔

اس درمیان میں محمد اور دیوان کے خلاف قوتیں مجتمع ہو گئی تھیں۔ احاطہ کے مکتب سے جن طلباء کو نکال دیا گیا تھا وہ برطرف شدہ سپاہیوں کے ایک دستے سے جا ملے اور ہپوڈروم میں انہوں نے یہ تحریک شروع کی کہ ابراہیم کی قاتلوں کو سزا دی جائے۔

تخت کے اطراف جو لوگ حاوی تھے ان کے خلاف یک عام تحریک زور پکڑنے لگی تھی کہ پھر سے انصاف اور قانون کا دور دورہ ہو اور سلطان اپنی ذمہ داری محسوس

کرے۔

کلثوم نے آخری پتہ کھیلا اور ہار گئی۔ سازش میں اس کے ساتھیوں میں ایک تیغچی تھا اور حبشی خواجہ سرا اور ینی چیری اپنے آغا سمیت شامل تھے۔ سلطان والدہ ترخان سلطان کے حامیوں میں وزیر اعظم کسلر آغا اور مکتب کے طالب علم شامل تھے۔

ایک رات حرم سرا کا یہ مناقشہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ کلثوم نے بڑے مالی سیکھہ کر حرم سرا کے اندرونی دروازے کھلوا دیے تا کہ ینی چیری سپاہی اندر آ جائیں۔ ان ینی چیریوں نے یہ چالاکی کہ سوتے میں وزیر کو گرفتار کر لیا۔ اور بطور ضمانت اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ اب سرائے پر ان کا قبضہ یقینی ہو چکا تھا۔ لیکن وزیر ان سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ابھی دیوان کا اجلاس طلب کرتا ہوں جس میں تمہارے سارے مطالبات منظور کر لیے جائیں گے۔ ینی چیریوں کے چنگل سے نکل کر اس نے تیسرے احاطے کے دروازوں کو اندر سے مقفل کر دیا۔

تیسرے احاطے کی حفاظت محض مکتب کے طلباء اور چند خدام کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن جتنی دیر تک وہ اس کی حفاظت کرتے رہے اتنی ہی دیر میں کلثوم کا کام تمام کر دیا گیا۔ سلطان کی بوڑھی دادی کلثوم اپنے حجرے میں ملی۔ وہ کپڑوں کے صندوق میں جا چھپی تھی وہاں سے اسے دشمنوں نے پکڑ کر نکالا اور اس کے لباس اور زیورات جسم سے نوچ نوچ کر چھین لیے۔ پھر اس کا گلا گھونٹ کر اس کی لاش باہر باغ میں پھینک دی۔

اس کے بعد سخت سزائیں دی گئیں۔ باغیوں کے سرغنوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور

مکتب کو اندرونی احاطہ سے باہر منتقل کر دیا گیا۔ تر خان سلطان عقلمند عورت تھی اس نے دیکھا کہ طاقت کے مقابلے میں جان کی سلامتی ہی غنیمت ہے اسنے رعایا کے غم و غصہ کے آگے سر جھکا دیا۔ اب ہوشیار اور فریس کپر ملو خاندان کے پہلے وزیر نے قلمدان وزارت سنبھالا حرم سرا کا راج ختم ہو گیا۔ ایک صدی تک عورتوں کی حکومت رہی تھی۔ سو سال پہلے روکسے لانا نے اماسیہ میں سلیمان کے فرزند مصطفے کا خط راستہ میں غائب کر دیا۔

(حرم سرا کی بدعنوانیوں کی یہ داستان زیادہ تر ان غیر ملکیوں کے بیانات پر مبنی ہے جو قسطنطنیہ میں رہتے تھے۔ اور ان کے بیانوں کی بنیاد ان مسلسل افواہوں پر قائم تھی جو مرکز سرائے سے شاخ زریں کے اس پار غلطہ تک پہنچتی رہی تھیں۔ ممکن ہے کہ یہ بیانات زیادہ تر صحیح ہوں لیکن ابھی تک جدید تاریخی تحقیقات کی روشنی میں ان کا جائزہ نہیں لیا گیا۔ ابھی تک محض اجنبیوں کے بیان کو سند مانا جاتا رہا ہے۔ لیکن ان بیانات میں کہیں واقعہ داستان بنا کے بیان کیا جاتا ہے۔ کہیں داستان کو واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر سلیمان کے دور حکومت کا جائزہ لیا جائے تو مغربی مصنفوں کی لکھی ہوئی تاریخ کے بہت سے صفحات کو رد کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مغربی مورخوں نے لکھا ہے کہ سلیمان کا وزیر اعظم ابراہیم خواجہ سرا تھا یا یہ کہ شاہی خاندان کی عورتوں کی شادی خواجہ سراؤں سے کر دی جاتی تھی تا کہ ان کی اولاد نہ ہو۔ اور سلطنت کی دعوے دار نہ بنے۔ یا یہ کہ مہر ماہ نے مالٹا کی تسخیر کا اس لیے مطالبہ کیا تھا کہ بہت سی کشتیاں جن میں اس کے لیے ملبوسات اور نوادر آ رہے تھے مالٹا کی جنگی کشتیوں نے گرفتار کر کے

لوٹ لی تھیں۔ یا یہ کہ سلیم نے قبرص کی فتح کا اس لیے حکم دیا کہ اس کی مرغوب شرابیں وہاں سے آیا کرتی تھیں وغیرہ وغیرہ یہ مغربی اجنبی ترک سلطان کو جہاں ترک اعظم اور ترک خونخوار کہتے ہیں وہاں وہ بڑے جوش وخروش سے اسے ترک ملعون کے روپ میں بھی پیش کرتے ہیں تاریخ میں شاید اور کوئی قوم ایسی نہیں جس سے باہر والوں نے اتنا تعصب اتنے عرصے تک برتا ہو۔ جدید تحقیقات اور علوم نے ترک قوم کے صحیح ماضی کا جائزہ لینا اب کہیں شروع کیا ہے)۔

☆☆☆

آگے بڑھانے والی قوتیں

سلیمان کی شخصیت کا تاریک پہلو تو آسانی سے نظر آجاتا ہے کہ وہ ایک بڑا ہی زبردست آدمی تھا جو کبھی کبھی سخت ظلم کر جایا کرتا تھا۔ لیکن اس اجنبی سلطان کی شخصیت کا روشن پرتو آسانی سے نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے زمانے کے تصورات سے ماورا نصب العین کی طرف گامزن تھا۔ اور اس کے آثار اس کی زندگی کے بعد کچھ کچھ نمایاں ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس قسطنطنیہ کے مغرب میں جو بادشاہ رہتے تھے ہنری ہشتم سے لے کر فرانس کی ملکہ کیتھرائن دے میدی چی تک ان سب تصاویر کے خطوط و رنگ بہت واضح نظر آتے ہیں۔

سلیمان کے متعلق چارلس اومان نے لکھا ہے "اس نے ترک سلطنت کی ہیئت کا تعین کیا۔ اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت کا استحکام بہت عرصہ تک باقی رہا یہ اس کی کارگزاری کا نتیجہ تھا۔ کہ سلطنت اس قدر مضبوط ہو گئی تھی۔ کہ اس کے بعد انحطاط پذیر سلاطین کی کئی پشتیں اس کی سلطنت کی بنیاد کو کمزور نہ کر سکیں"۔

کارڈی نل مازارن کے زمانے میں ایک فرانسیسی مورخ میسووے تے وے نو نے سلیمان کے دور سے ایک صدی بعد شہادت دی ہے کہ ترک سلطنت کی بنیاد زراعت کے مستحکم ارادے پر قائم تھی۔ کسان مرفع الحال تھے ملک میں غذاؤں کی افراط تھی اور وہدہ داران نظم و نسق حکومت پر کامیابی سے حاوی تھے۔ امور سلطنت کی ساری ذمہ داری وزیر کے شانوں پر ہے وہ سلطان المعظم کے سارے فرائض خود

سرانجام دیتا ہے۔ (ابراہیم کے قتل کے سات سال بعد بھی محمد رابع کا سن ہی تھا) صرف یہ کہ اسے سلطان کا لقب حاصل نہیں یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

امور خارجہ میں سلیمان کی حکمت عملی یہ تھی کہ فرانس سے گہرے دوستانہ مراسم قائم رہیں اور پولینڈ کی سلطنت سے جو فرانس کی طرح روشن خیال تھی امن وصلح کے خوشگوار تعلقات قائم رہیں۔ سوکولی اور اس کے بعد وزراء نے اسی پالیسی پر عمل کیا۔

کچھ عرصہ بعد ترکی خارجی حکمت عملی کے لیے پالیسی بن گئی۔ لیکن اس عرصے میں ان مراعات خصوصی کے نقصانات بھی نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ لیکن سلیمان نے عیسائی اور دیگر عمل کے ساتھ رواداری مُس جو داخلی حکمت عملی رائج کی تھی وہ اس کے بعد عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ رواداری کی جگہ لالچ عام ہو گیا۔ عیسائی کلیساؤں کے اسقفوں سے ترک عہدہ دار روپیہ گھسیٹتے اور یہ اسقف اپنے حلقے کی رعایا سے۔ اس اسقفوں کا مقام غیر متعین سا ہو گیا۔ اور بالآخر زندگی ان کے لیے وبال ہو گئی۔ بظاہر ان کو بہت آزادی دی گئی تھی لیکن ترک اس محاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے۔ سلیمان کے پوتے مراد کے زمانے میں پہلی مرتبہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے کیتھولک کلیساؤں کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

ساتھ ہی ساتھ ترکوں میں اسلام پھیلانے کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ ممکن ہے کہ یہ محض اتفاق ہو یا اس کی وجہ یہ ہو کہ قوم بہت امیر ہوتی جا رہی تھی۔ اوقاف کی دولت بڑھتی جا رہی تھی۔ فریس بوزبک نے اپنے اماسیہ کے روزنامچے میں لکھا ہے کہ ''سلیمان کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا ایسا ہی شوق تھا جیسے اپنی سلطنت کی توسیع کا

موجودہ محققوں میں ٹمپز اور لائی باڑکی یہ رائے ہے کہ ترکوں نے جس پیمانے پر اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی وہ یورپ کے لیے ان کی فتوحات سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔

جدید تحقیقات اب تک اس پر متفق نہیں ہوئی ہیں کہ قانون شریعت اس کے زمانے میں کس حد تک مستحکم تھا۔ ترک مذہبی جوش کے عالم میں بہت عرصہ تک آگے بڑھتے رہے لیکن ایک ایسا نقطہ بھی آیا جس میں اس جوش کی وجہ سے انہیں نقصان پہنچنے لگا۔ وہ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ نہیں بدلے تقدیر پر بہت زیادہ یقین کرنے لگے۔ نئی تعلیم سے متنفر رہنے لگے۔ اوران کی قوت عمل سلب ہونے لگی۔ یہ سلیمان کے زمانے کی مذہبی جوش کے بالکل برعکس صورت حال تھی۔ اس غلو ہی کا رد عمل یہ تھا کہ مصطفےٰ کمال اتاترک نے جب سلیمان کے مرنے کے چارسو سال بعد ترکی میں اصلاحات نافذ کیں تو شیخ الاسلام کا عہدہ باقی نہ رہا' اور بہت سے توہمات سے قوم کو نجات دلائی۔ لیکن مذہب کا اثر کم کرنے میں دور جدید کے اس مصلح اعظم کو پوری کامیابی نہیں ہوئی۔

☆☆☆

تباہ کن قوتیں

جب سلیمان اور سوکولی کا آہنی نظم ونسق ختم ہوگیا تو سرائے کی دولت غیر متدین عہدہ داروں کے ہاتھوں میں پہنچنے لگی۔ محاصل بڑھ گئے۔ ہر قانونی معاملے پر کوئی نہ کوئی محصول عائد کر دیا گیا (اور اس کی ابتدا ابراہیم اور رستم نے کی تھی) نولس کے زمانے میں شاہی خزانے کی آمدنی بڑھ کر اسی لاکھ اشرفیاں ہوگئی۔ ری کو کے زمانے میں یہ آمدنی ایک کروڑ دس لاکھ اشرفیاں تک پہنچ گئی۔ اس صدی میں جبکہ حرم سرا کی منظور نظر عورتوں کا عروج رہا جاگیریں رشوت میں نیلام ہوتی رہیں سکہ میں یورپی سکے کی طرح ملاوٹ کر دی گئی۔

جنگی جہازوں کے کارخانے میں آرام طلبی اور رشوت بہت بڑھ گئی۔ چونکہ کپتان پاشا کو جہازوں کی تعمیر اور بیڑوں کے تیاری کے لیے خزانے سے بہت بڑی رقم ملا کرتی تھی اس لیے وہ اس رقم سے بہت کچھ خرد برد کر سکتا تھا۔ شاذونادر ہی یہ بیڑے جن کے نام پر اتنا روپیہ خرچ ہوتا تھا سمندر کا رخ کرتے (اس کے برعکس پرانے بحری فاتحون باربروسا' دراگوت اور پیالی پاشا کے زمانے میں بحری بیڑے خود اپنے سارے اخراجات کے کفیل ہوتے تھے) 1640ء کے ہنگامے کے بعد جنگی جہازوں کے کپتانوں کی تعداد کاغذ پر چار سو ساٹھ تھی لیکن ان میں سے ڈیڑھ سو سے زیادہ نے کبھی مرکز سرائے سے اتر کر بھی سمندر کا رخ نہیں کیا۔

آخر میں جنگی جہازوں کے دستے نئی چیریوں سے بھرتی کیے جاتے تھے اور نئی

چیریوں کو سمندر سے نفرت تھی۔ تے وے نو نے لکھا ہے کہ ''وہ اپنے جنگی جہازوں پر بڑی اچھی طرح پاہیوں اور ینی چیریوں کو تعینات کرتے ہیں لیکن یہ تیغ زن جو زمین پر ایک قدم پیچھے ہٹنا نہیں جانتے اپنی مرضی کے خلاف سمندر کا رخ کرتے ہیں۔ جو سپاہی کسی مدت کے لیے سمندر کا چکر لگاتے ہیں۔ وہ سفرلی یا سیاح کہلاتے ہیں۔ بیڑے کی روانگی سے تین روز پہلے یہ ینی چیری ملاح ہاتھوں میں کلہاڑیاں لیے ہوئے شہر کی گلیوں کا چکر لگاتے ہیں۔ اور عیسائیوں اور یہودیوں' اور یہاں تک کہ ترکوں سے پیسے وصول کرتے ہیں۔

مصیبت کے زمانے میں جنگی جہازوں کے کارخانے کی بدحالی ری کو نے بھی فوراً بھانپ لی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ جنگی بیڑوں کے اخراجات اور جنگی جہازوں وغیرہ کی تیاری کے بہانے (اور ایسی ہی دوسری خرچ کی مدوں کے نام پر جن کے لیے گوشوارہ حکومت میں پہلے گنجائش نہیں رکھی جاتی تھی) سلطنت کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ عہدہ دار راشی تھے۔ تین سال کے محاصل پیشگی وصول کیے جا چکے تھے یہاں تک کہ مشہور وزیر کوپرولو نے اپنی دانشمندی سے اس صورت حال کا انسداد کیا''۔

اس قابل انگریز محصل نے نادانستہ طور پر ترکوں کی دولت کے انحطاط کیلیے ایک اور سبب پر روشنی ڈالی ہے جب کہ وہ انگریزوں کے متعلق یہ لکھتا ہیکہ ''ہمیں اپنی خوش قسمتی سمجھنی چاہیے کہ ہم ترکوں کے ساتھ آزادی سے کھلی تجارت کرتے ہیں ہمارے تعلقات ان سے دوستانہ ہیں..... یہ سلسلہ ملکہ الزبتھ کے زمانے سے شروع ہوا..... اور مشرق قریب کے تاجروں کی کمپنی نے ان سے رابطہ استوار کیا۔ اس

انگریز سلطنت کو اس تجارت سے بڑا نفع ہوا ہے۔ اور کئی ہزار انگریزوں کی معیشت کا انتظام ہوا ہے۔ اسکی وجہ ہز مجیسٹی کے خزانے کی بھی چنگی کے محاصل کی وجہ سے بڑی آمدنی ہوتی ہے۔

یہاں ری کو نے خاص مراعات کا ذکر کیا ہے جو ترکوں کی سلطنت میں غیر ملکیوں کو عطا کیے جانے لگے تھے۔ پہلے صرف تاجروں کو اور پھر حکومتوں کو۔

یورپ میں ایک اور عام اور اٹل عقیدہ یہ چلا آتا ہے کہ عثمانی ترکوں کے عروج کے زمانے میں مشرق قریب کے تمام ملکوں کی عوروں کو اپنے تصرف میں لے لیا تھا۔ یہ کہ ہر ترک کے پاس بہت بڑے بڑے حرم ہیں۔ اور ہر حرم میں رقاصہ لڑکیاں اور نیم برہنہ عورتیں جمع رہتی۔ اور یہی ترکوں کے زوال کا باعث بنا۔ یہ داستانیں مقابلتاً جدید زمانے کی تصنیف ہیں۔ سلیمان کے زمانے میں بھی یہ مشہور تھیں' اور مغرب کے تصورات پر ان کا بڑا رنگین اثر ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطانوں نے حرم رکھے اور ان کا اثر جو کچھ ان کے اخلاق اور قوت عمل سے ہوا وہ ظاہر ہے۔ سلیمان ان خرابیوں سے مستثنیٰ تھا۔ لیکن یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس معاملے میں ترک قوم نے اپنے سلطانوں کی پیروی نہیں کی۔ آغاہوں ی اتماری یا کسان ان طبقوں میں سے کوئی دوسری قوموں کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتا تھا۔ اور دوسری قومیں جو ترکوں کے زیر حفاظت تھیں اپنی زندگی اطمینان سے الگ بسر کرتی تھیں۔

بردہ فروشی تجارت کا معاملہ تھا اور اسیران جنگ سے نفع حاصل کیا جاتا تھا بعض

عیاش سلاطین کے محلوں میں کنیزیں اور غلام ضرور تھیں لیکن مسلمانوں کے قانون کے مطابق ان کنیزوں اور غلاموں سے عزیزوں کا سابرتاؤ کیا جاتا تھا۔ ویسا وحشیانہ سلوک نہیں جیسا ازمانے میں اہل یورپ اپنے غلاموں سے کیا کرتے تھے۔

سلیمان کے عہد میں زندہ دل ایاز پاشا کے پاس ایک بہت بڑا حرم تھا اور باربروسا کے متعلق یہ مشہور تھا کہ ہر بندرگاہ میں وہ ایک نئی دلہن سے بیاہ کرتا۔ لیکن ادارہ نظم ونسق کے وزرائے اعظم مثلاً ابراہیم، رستم کوسولی اور پیالی پاشا کی شادیاں حرم سرائے باب عالی کی شہزادیوں سے ہوتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک نے ایک ہی بیوی کے ساتھ عمر گزاردی۔

اگر موازنہ کیا جائے تو سلیمان اور اس کے وزرائے نظم ونسق کثرت ازواج کے معاملے میں اس زمانے کے درباریوں کے مقابلے میں بہت معتدل تھے (ہاپس برگ بادشاہ تو اس معاملے میں بہت مشہور تھے کہ یہ روزنت نئی شادیاں کرتے رہتے تھے اور پرانی بیویوں کو طلاق دیتے رہتے تھے۔ فلپ کی شادیاں یکے بعد دیگرے پرتگال، انگلستان، فرانس اور آسٹریا کی بیویوں سے ہوئی۔ اور اگر کثرت ازواج کا سہرا واقعتاً کسی کے سر پر باندھا جاسکتا ہے تو وہ انگلستان کے صاحب تن وتوش بادشاہ ہنری ہشتم تھا۔

☆☆☆

جنگجوئی کی داستانیں

فوجی سردار کی حیثیت سے سلیمان کی ذات ایک عجیب مجموعہ اضداد ہے رواج کا تقاضا یہ تھا کہ ایک ایسے لشکر کے سرعسکر کی حیثیت سے جس نے کبھ جنگ میں منہ کی نہیں کھائی تھی۔ سلیمان دارالحرب میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتا۔ اگر اس کی زندگی کو قریب سے دیکھا جائے تو اس کی زندگی کا حقیقی پہلو نظر آ سکتا ہے۔

اس کی زندگی میں اور اس کے بعد ترکوں کی عظیم الشان فوج میں بحیثیت فوج کے کسی قدر انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلیمان کی وجہ سے ہوا یا اس کے بعد۔

اس کے برعکس انے مستقل شاہی فوج اور ینی چیریوں اور سپاہیوں کی تعداد میں بڑا اضافہ کیا۔ جب وہ مرا تو اڑتالیس ہزار تین سو سولہ سپاہی خزانے سے مستقل طور پر تنخواہ لے رہے تھے۔ جب وہ تخت نشین ہوا ہے تو مستقل سپاہیوں کی تعداد اسکے نصف کے برابر تھی۔

ممکن ہے کہ سلیمان ہی نے ینی چیریوں کی ہیئت بدل دی ہو جو پہلے مفلوک الحال فقیروں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس نے فوج کے بہت سے قوانین بدل کر سپاہیوں کو سہولتیں بہم پہنچائیں۔ بعض سپاہیوں کو شادیاں کرنے کی اجازت دی۔ ترکوں کی فوجوں میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ ممکن ہے کہ یہ منتخب فوج بہر حال کبھ نہ کبھی تو ضرور انحطاط کرتی۔

اس کی ذاتی سپہ سالاری کا نقطہ تضاد یہ ہے کہ اس کے درگزر سے اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ رہوڈس سے لے کر مالٹا کے معرکوں تک چوالیس سال کے عرصے میں اس نے اپنے عسکر کو کبھی محض انتقامی کارروائی کے لیے کہیں نہیں بھیجا۔ اس نے اپنی فوج کو اپنے ملک کے مزارعین پر بار ہیں بننے دیا۔

اس کے مرنے کے فوراً بعد سلیم ثانی نے جنوبی روس کے علاقے میں وولگا اور ڈان کے درمیان نہر کھودنے کا حکم دیا۔ اس نہر کی تجویز سلیمان نے سوچ بچار کے بعد رد کر دی تھی۔ ایک ترک بیڑا ڈان سے ہوتا ہوا اوپر پہنا۔ اور اس کی مدد کیلیے رسد کے جہاز بھیجے گئے لیکن کریمیا کے تاتاریوں کی غداری اور دھوکہ کی وجہ سے اس خشک میدان میں اس کا حشر اچھا نہیں ہوا۔

اس کے پوتے مراد نے ایران سے وہ جنگ عظیم چھیڑی جسے سلطان ٹالتا رہا تھا۔ بارہ سال تک یہ جنگ جاری رہی تھی۔ اسے جنگ طویل کہتے ہیں اس کا بجز اس کے کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ روس کی ابھرتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں یہ دونوں اسلامی سلطنتیں آپس میں لڑ کر کمزور ہو گئیں۔

یہاں تک کہ 1883ء میں ایک اولوالعزم قرا مصطفے نے آخری مرتبہ وی آنا کا محاصرہ کیا جس کی دیواروں کے سامنے سے سلیمان واپس لوٹ آیا تھا۔ اس کے بعد ایسی شکست ہوئی کہ عثمانیوں کی عسکری طاقت کے خاتمے کا آغاز شروع ہوا۔ اب ترکوں کے مقابلے میں اہل یورپ کے ہتھیار زیادہ بہتر تھے۔ ان میں لڑنے کی امنگ بڑھ گئی تھی اور انہوں نے قلعہ بندی اور مورچہ بندی کے نئے ہنر سیکھتے تھے

اس مرتبہ وی آنا کو بچانے کے لیے جس شخص نے یورپ کے عساکر کی قیادت کی تھی وہ پولینڈ کا جان سوبیسکی تھا۔ سلیمان کی پالیسی یہ رہی تھی کہ پولینڈ والوں سے صلح قائم رکھی جائے۔

جہاں تک سلطنت کے وقار کا تعلق ہے سلیمان کسی رعایت کے لیے تیار نہ تھا۔ عثمانی عسکر کا وقار وی آنا کے دوسرے اور حقیقی محاصرے کے وقت تک بہت بلند رہا۔

خود سپہ سالاری کر کے سلمان نے دو بڑے اہم کارنامے سرانجام دیے۔ وہ مرتبہ وہ موسم سرما کے آغاز میں اپنی فوج کو دشمنوں کے پہاڑی علاقوں سے سلامت نکال لایا۔ ایک مرتبہ وی آنا سے قسطنطنیہ تک دوسری مرتبہ تبریز سے بغداد تک۔ ماسکو میں نپولین کو اس مشکل کام میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ خود پسپا ہوا تو اپنی فوج کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ آیا۔

ترک عسکر سے خود ایک طرح کا تضاد نمایاں ہوتا ہے۔ اس کا سپہ سالار تو مطلق العنان بادشاہ ہوتا تھا لیکن اس کا طریقہ جدید زمانے کے لحاظ سے جمہوریت پسندی کا تھا۔ فوج کے اکثر افسر نظم و نسق کے مدرسے کے فارغ التحصیل تھے فوج میں کوئی درجہ بندی نہ تھی وقت پڑتا تو معمولی سا افسر سپہ سالار کی جگہ سنبھال لیتا۔

سلطان اور اس کے افسر فوج ہی کے ساتھ گزر بسر کرتے' اور میدان جنگ میں سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتے۔ خود سلیمان نے رہوڈس' موہاکس اور وی آنا کے معرکوں میں گولیوں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کیا۔ افسر بڑی تعداد میں مارے جاتے رواج یہ تھا کہ افسر بھی سپاہیوں کے برابر ہی برابر خطروں کا مقابلہ کرتے اور انعام و اکرام

حاصل کرتے۔ نتیجہ کے طور پر افسروں اور سپاہیوں کے درمیان ایک باہمی رابطہ ایسا تھا جس کی نظیر اس زمانے میں کسی اور فوج کے نہیں ملتی۔ اس زمانے میں یورپ میں صرف اعلیٰ خاندانوں کے افراد کا ذاتی پسندیدگی کی بنا پر فوجی عہدوں پر تقرر کیا جاتا تھا یورپ کے بعض فوجی سردار ایسے بھی ہوتے تھے جنہوں نے اپنی فوج کو دیکھا تک نہ ہوتا تھا یا اگر وہ لڑائی کے شروع میں فوج میں موجود ہوتے تو اختتام سے پہلے غائب ہو جاتے۔ اس لحاظ سے الجزائر کی جنگ میں چارلس کی موجودگی استثنا کا درجہ رکھتی ہے۔ نائٹوں کے سردار ہمیشہ بنفس نفیس جنگ میں شامل ہوتے۔

سلیمان کے متعلق ایک اور روایت بڑی مقبول تھی جو حال حال تک یقین کا درجہ رکھتی تھی یہ کہ اس نے وسط یورپ کو فتح کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔

راجر میدی من جیسے صاحب ضمیر مورخ نے بھی 1944ء میں صاف صاف لکھا ہے کہ وی آنا میں جدید یورپ کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا وی آنا کے محاصرے کا تخیل پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسی سے ٹھیک آٹھ سو سال پہلے تورکی لڑائی سیلے کراس وقت تک مسیحی یورپ اشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کے براہ راست حملے کے نرغے میں بتا! نہیں ہوا تھا۔ تو ریا وی آنا میں سے کسی ایک جنگ کا فیصلہ اگر مسلمانوں کے حق میں ہوتا تو دنیا کی ساری تاریخ بدل جاتی''۔

تخیل پر تو بے شک اس کا اثر پڑتا ہے لیکن 1529ء میں سلیمان کا مقصد بودا کی تسخیر تھا جو دریائے ڈینیوب رپ ہنگری کے بڑے میدان پر آباد ہے۔ ترکی تاریخوں میں نہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ سلیمان نے وی آنا کی تسخیر کا ارادہ کیا ہو۔

اگر سلیمان کی اپنی تحریروں کا لحاظ کیا جائے..... سلیمان کی حد تک انہیں واقعی اہمیت دینا بہت ضروری ہے..... تو ان میں صراحت کے ساتھ یہ بیان ملتا ہے کہ اس کا ارادہ ہرگز وی آنا پر قبضے کا نہیں تھا۔

سر چارلس اومان 1937ء میں یہی رائے دہراتا ہے ''عثمانیوں اور خاندان ہاپس برگ کی طویل کشمکش میں یورپ کے لیے سب سے زیادہ خطرے کا وقت تھا اگر وی آنا فتح ہو جاتا تو سلطان اسے سرما کا مستقر بنالیتا اور پھر اس مرکز سے جرمنی پر یورش جاری رکھتا''۔

لیکن 1529ء میں سلطان نے ینی چیریوں کا ایک دستہ بودا کی حفاظت کے لیے اس شہر میں نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی فوجوں نے کبھی ہنگری کے میدان عظیم پر پوری طرح قبضہ نہیں جمایا تھا۔ جو اس جرمنی کا آنگن تھا۔ ترک شہسوار صرف موسم سرما یلغار کرتے تھے۔ سردیوں میں وہ کیونکر جرمنی کے برف سے گھرے ہوئے پہاڑوں میں یورش کرتے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ روایت بہت وقت گزر جانے کے بعد بنی اور پھیلی ہے۔ یہ کہ مشرقی کے فاتح سلطان نے اپنے شہسوار یورپ میں اس لیے بھیجے کہ وہ مغرب کے طاقتور شہنشاہ سے یورپ کا براعظم چھین لیں کیونکہ کوئی ایسا شاندار معرکہ نہیں ہوا جس کا ذکر کیا جا سکے۔ اس لیے روایت نے بجائے کسی جنگ کے اپنا سارا زور وی آنا کے واقعے پر صرف کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر اسی روایت میں چارلس پنجم وی آنا کے کامران محافظ کے روپ میں نمودار ہوتا ہے۔ حالانکہ اس نے وی آنا کی حفاظت کے لیے صرف سات سو

ہسپانوی سواروں کا دستہ بھیجا تھا اور سلیمان کو ایک ایسے ایشیائی فاتح کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے جسے وی آنا میں پیچھے ہٹا دیا گیا ہے۔

کہانی مزیدار ہے اسے بیان کرنا مشکل نہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کہانی سچی نہیں۔

☆☆☆

بحری قزاقوں اور لپانٹو کی داستانیں

عرصہ ہوا کسی نے ترک بحری کپتانوں کو بحری قزاق اور ساحل بربر کے لٹیرے کہنا شروع کیا اور یہ بات چل نکلی۔ لیکن یہ سلیمان نے زمانے کی بات نہیں۔ اس زمانے میں یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے اور رچرڈ نولس کی ضخیم تاریخ میں بھی آپ کو سلیمان کے امیر البحروں کا ذکر ان الفاظ میں نہیں ملے گا۔

ترکوں کے بحری سردار بحری قزاق نہیں تھے۔ ساحل بربر کے لٹیرے نہیں تھے نہ وہ الجزائر کے سمندری سردار تھے' اور نہ وہ قزاقوں کے بحری اڈوں سے نکل نکل کے چھاپے مارتے تھے۔ لیکن جدید مغربی تاریخوں میں بھی آپ کو یہ ساری اصطلاحات ملیں گی۔ اس کے علاوہ ان تاریخوں میں آپ یہ بھی مطالعہ فرمائیں گے کہ ترکوں کی بحری طاقت یا تو باربروسا کے ساتھ ختم ہوگئی یا لپانتو کی بحری جنگ کے بعد یہ دونوں مفروضات غلط ہیں۔

خیر الدین باربروسا کی اخلاقیات کا کوئی معیار رہی..... اور اگر وہ چاہتا تو شاید شیخ مچ بڑا ذی شکوہ بحری قزاق بن سکتا تھا۔'' ..... لیکن جب وہ سمندر میں نکلتا تو اس کے جہاز پر ایک ہی پرچم ہوتا۔ ترکوں کا قومی پرچم جو اس کے اپنے جھنڈے کے ساتھ لہراتا ہوا۔ وہ امیر البحر کے عہدے پر مامور تھا اور اسے ترک خزانے سے تنخواہ ملتی تھی۔ وہ اپنے جہاز ترک حکومت کی جنگی گودی میں تعمیر کرتا تھا اور ایک قوم ترک قوم کا سلمبردار ہو کے وہ یورپ کی نصف درجن سلطنتوں یا ریاستوں کے مقابلے

میں بحری جنگ کے نقشے بناتا تھا۔

اس کے حریف اندریا دوریا کو عام طور پر تاریخوں میں مقدس سلطنت روما کا امیر البحر بتایا جاتا ہے۔ لیکن دوریا بار بار اپنے پرچم بدلتا رہا۔ کبھی اس سلطنت کی طرف سے لڑتا کبھی اس سلطنت کی طرف سے۔ اس کے اپنے تیرہ جہاز تھے جو کبھی جنیوا کے بیڑے میں شامل ہو جاتے کبھی فرانس کے بیڑے میں، کبھی شہنشاہی بیڑے میں اور (باربروسا کی طرح وہ بھی) مال غنیمت سے اپنا حصہ وصول کر لیتا۔

اب بتایئے بحری قزاق کون تھا خیر الدین یا باربروسا یا اندریا دوریا؟

ترکی کپتان بڑے جنگی بیڑوں کی سرداری کرتے جنہوں نے سلطنتوں کی قسمتیں بدل دیں۔ 1588ء میں مشہور ہسپانوی آرمادا کی تاریخوں میں ذکر ملتا ہے جس کو ایک قوم نے ایک اور قوم انگلستان پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا لیکن اس آرمادا کی مجموعی طاقت 132 جنگی جہازوں 21621 سپاہیوں اور 8066 ملاحوں پر مشتمل تھی۔ اس آرمادا کی طاقت اتنی ہی تھی جتنی شہنشاہ چارلس کے اس دوسرے آرمادا کی جو الجزائر میں نام نہاد ''بحری قزاقوں کے اڈے'' میں تباہ کر دیا گیا۔ ہسپانوی آرمادا کی طاقت اس مجموعی بیڑے سے بہت کم تھی جس نے دوریا کے زیر کمان پری ویزا میں شکست کھائی۔ لپانتو میں طرفین کے بیڑوں کی قوت بھی اس سے زیادہ تھی

رہ گیا لپانتو کا مشہور و معروف بحری معرکہ تو اس کی حقیقت یہ ہے۔

سلیمان اور چارلس میں جو بحری لڑائیاں شروع ہوئی تھیں وہ ان کے مرنے کے بعد بہت عرصے تک جاری رہیں۔ 1568ء میں فلپ ثانی نے یہ کوشش کی کہ اسپین

کو ایک مغربی شہنشاہی کی صورت میں وسیع کیا جائے اور اس کے لیے اس نے غرناطہ کے علاقے میں باغی مسلمانوں اور عربوں کا قتل عام شروع کیا۔

سلیم ثانی نے یا انتقامی یا محض توسیع سلطنت کے لیے ترک بیڑوں کو جزیرہ قبرص کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ سلیم احمق خود تو کسی حالت میں اپنی فوج کی قیادت کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن وہ بڑے اطمینان سے فوج کو کسی اور کی سرکردگی میں بحری معرکے کے لیے روانہ کر سکتا تھا۔ پیالی پاشا کا اصرار تھا کہ اناطولیہ کے جنوب میں وینس کے اس آخری مقبوضہ جزیرہ کو فتح کر لیا جائے۔ حالانکہ محمد کوسولی اس مہم کی تائید نہیں کرتا تھا۔

سلیم نے ہوشیاری سے اپنے باپ کی پیروی میں مفتی اعظم سے یہ مسئلہ پوچھا ''اگر کسی مسلمان سرزمین پر کفار کا قبضہ ہو جائے تو کیا یہ خلیفہ کا فرض نہیں کہ اسے دوبارہ تسخیر کر کے دارالسلام میں شامل کر لیا جائے؟''

اس کا جواب جو ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ ترک بیڑے نے 1570ء کے موسم گرما کے آغاز میں بڑی طاقت سے سمندر کا رخ کیا۔ لالہ مصطفےٰ کا پرانا استاد تھا' اور جس کا ہاتھ بایزید کی موت میں بھی تھا عسکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا۔

(یہ وہی زمانہ تھا کہ نوجوان فرانسس ڈریک' جو سفینہ رانی میں جان ہاکنس کا شاگرد تھا' ملکہ الزبتھ کے ایک جہاز میں ایک معمولی سی خدمت پر مامور ہوا۔ اور وہ ہسپانوی ساحلوں کی جانب ایک انگریز جہاز میں روانہ ہوا تھا جس کا نام ''پاشا'' تھا تھوڑے ہی دنوں میں وہ دراگوت کے نقش قدم پر قادسیہ پر حملہ کر کے فلپ ثانی کی

پریشانیوں میں اضافہ کرنے والا تھا۔ عرصہ بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ ایک انگریز سفیر نے ''کافر'' ہسپانویوں کے مقابلے میں ترکوں میں مدد کی درخواست کی)۔

قبرص کے قلعہ فاماگوستا کی مدافعت صلیبی محاربین کے نام لیوا اطالوی تنخواہ دار سپاہی اور یونانی کر رہے تھے۔ گیارہ مہینے تک وہ لالہ مصطفےٰ کے توپخانے اور سرنگوں کے مقابلے میں اڑے رہے یہاں تک کہ اگست 1571ء میں قلعہ والے انہیں شرطوں پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہو گئے جو سلیمان کے اہل رہوڈس کو پیش کی تھیں..... کریٹ تک حفاظت سے پہنچ جانے کی اجازت اور قبرص کے باشندوں کی زندگی اور حقوق کی ضمانت۔ لیکن لالہ مصطفےٰ اور سلیمان میں بڑا فرق تھا۔ جیسے ہی قلعہ کا محافظ دستہ جہازوں پر سوار ہوا اس کو پکڑ کر قید کر دیا گیا اور افسروں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

قبرص پر ترکوں کے قبضے کے ایک سال بعد ایک نوجوان مصور ال گریکو نے اس جزیرے سے بھاگ کر اسپین کا رخ کیا جہاں اس نے ان شاہکار تصویروں کی نقاشی شروع کی جن کی وجہ سے وہ آج تک زندہ جاوید ہے۔

اس درمیان میں وینس کی جمہوریت نے جو پری ویزا کی جنگ کے بعد سے ترکوں کے ساتھ امن اور فراغت سے بسر کر رہی تھی یورپ کے درباروں سے درخواست کی کہ ترکوں کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ کا آغاز کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وینس کا بیش بہا جزیرہ قبرص خطرے میں تھا۔ بہت کم درباروں نے اس کی طرف توجہ دی۔ اور وینس کے بحری بیڑے بڑی احتیاط سے ترک بیڑے سے دور

ہی دور رہے جس کی کمان اولوج علی کی ہاتھ میں تھی جو پہلے دراگوت کے ماتحت کام کر چکا تھا۔ اور جس کو اہل یورپ اور چیالو کہتے تھے شہنشاہ میکسی میلن اہل وینس کے مذہبی جہاد کے جذبہ کو اعتبار کے قابل نہ سمجھ سکا۔

بہر حال اس وقت تک قبرص کی مدد کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ جب تک کہ اس کا آخری قلعہ فتح نہ کرلیا گیا۔ اس اثناء میں اسپین میں عربوں کی نسل کا خاتمہ کر دیا گیا۔ لیکن جب اسپین کی اندرونی طاقتیں ختم ہوگئیں تو اسپین کی فوجیں فلپ کے سوتیلے بھائی ڈان جان آف آسٹریا کی سرکردگی میں جو چارلس کا حرامی بیٹا تھا جمع ہوئی اور اس عظیم بحری بیڑے میں شامل ہوگئیں جو بحیرہ اڈریاٹک میں جمع ہو رہا تھا۔ اس میں 227 جہاز تھے۔ مختلف اقسام کے۔ بیس ہزار سپاہی ان پر سوار تھے۔ بعض جہاز بالکل نئی ساخت کے تھے۔ قبرص پر دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا یہ جہاز کورفو کے پاس بلا کسی خاص مقصد کے لنگر انداز تھے۔

اس نئے مذہبی محاذ کے حلیفوں کے سپہ سالار آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ لیکن چھبیس سالہ ڈان جان جس کی طبیعت میں بڑا ولولہ تھا اور مہموں کو سر کرنے کا خاص سلیقہ تھا مصر ہو گیا کہ اس بیڑے کو چاہیے کہ کارنتھ کی خلیج کے قریب ترکی بیڑے کو تلاش کر کے اس کا مقابلہ کرے۔

اس طرح لے پانتو کی جنگی وقوع پذیر ہوئی جس کے مناظر وے ٹی کن اور وینس کے ڈیوک کے محلات کی دیواروں پر نقش ہیں۔

اس جنگ میں جو فتح ہوئی وہ حقیقی تھی اور ترکوں کو جو شکست نصیب ہوئی وہ فیصلہ

گن تھی۔ ترک بیڑے کے قریب قریب تمام جہاز غارت ہو گئے۔ ماہرین کا بیان ہے کہ ترک بیڑے کے جہاز جو بڑی تعداد میں تھے۔ لے پانٹو کے قصبے کے قریب آبنائے میں پھنس گئے۔ نقل و حرکت نہ کر سکے' اور یورپی بیڑے کے مقابلتاً بڑے جہازوں بھاری اسلحہ اور توپ خانے کو ان پر برتری حاصل ہو گئی۔ ترک نظم و نسق کے بہت سے اعلیٰ عہدہ دار اس جنگ میں کام آئے۔ لیکن ترک بیڑے کا میسرہ جس کی قیادت خود اولوج علی کر رہا تھا۔ نہ صرف بچ کر نکل گیا بلکہ مال غنیمت کے طور پر وینس کے ایک جہاز اور مالٹا کے گرینڈ ماسٹر کے بحری پرچم کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔

لے پانٹو ہی کی جنگ میں میخوئیل دے تھروانڈسکو وہ زخم لگا جس کی وجہ سے اس کا ایک بازو شل ہو گیا۔ پانچ سال تک وہ افریقہ میں ترکوں کے پاس قید رہا اور ان واقعات کا اس کی بے مثل کتاب ڈان کیخوئے کے بہت سے واقعات پر اثر پڑا ہو گا۔

لے پانٹو کی جنگ جیتی جا چکی تھی' مگر قبرص قبضے سے نکل چکا تھا۔ ڈان جان کے بیڑے کی موسم سرما میں مرمت ہوئی اور اب یہ سوال تھا کہ ترکوں کا خوفناک بحری بیڑا تو مقابلہ کرنے کے لیے باقی نہیں رہا تھا اب کیا کیا جائے؟

اہل وینس کو فلپ کی رائے سے اتفاق نہیں تھا اور فلپ دور بیٹھے بیٹھے خط و کتابت کے ذریعے تمام معاملات حل کرنا چاہتا تھا۔ ایک تجویز یہ تھی کہ شمالی افریقہ کے ساحل یا کم سے کم اس کے کچھ حصے کو دوبارہ فتح کر لینا چاہیے۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ ان جزیروں کو فتح کرنا چاہیے جو وینس کے قبضے میں تھے اور اب اس کے قبضے سے نکل چکے تھے۔

یہ بحث ہو رہی تھی کہ موسم بہار میں ایک نا قابل یقین خبر آئی کہ ترک بیڑا جو لے پانو میں یا تو غرق ہو چکا تھا یا پاش پاش ہو چکا تھا یا ہتھیار ڈال چکا تھا۔ اب پھر درہ دانیال سے باہر برآمد ہو رہا ہے وہ یورپی بیڑے کی طرف آ رہا ہے تا کہ نئے سرے سے ایک اور بحری جنگ لڑے۔

بہت کم ایسا اتفاق ہوا ہوگا کہ کسی جنگی مجلس مشاورات کو ایسی انوکھی خبر ملی ہو۔

واقعہ جو پیش آیا یہ تھا۔ اولوج علی سینتالیس جہاز بچا لایا تھا۔ پیالی پاشا نے جو خود تو اتنا ضعیف ہو یا تھا کہ سمندر کا رخ نہیں کر سکتا تھا' اندرونی سمندروں سے سارے کارآمد جہاز ڈھونڈ نکالے سب سے بڑھ کر یہ کہ محمد کو لسولی نے حکم دیا کہ ایک سو اسی نئے جنگی جہاز اپریل اور اکتوبر کے درمیان تیار اور مسلح کیے جائیں اور اس قابل ہو جائیں کہ سمندر میں نکل سکیں۔

دن رات محنت کر کے شاخ زریں میں اس حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ ینی چیریوں سپاہیوں اور تیماریوں کو اس بیڑے کی ملاحی کے لیے بھرتی کیا گیا۔ اور اولوج علی کو کپتان پاشا مقرر کر کے اس بیڑے کو روانہ کیا گیا' اس کے ساتھ ایک سو ساٹھ جہاز تھے۔

یہ بیڑا معمولی درجہ کا تھا' اس کے سپاہی ملاحی کا ہنر نہیں جانتے تھے۔ یہ اسی قسم کا بیڑا تھا جس کو جمع کرنے کے بارے میں باربروسا ہمیشہ ڈرتا اور کتراتا تھا۔ لیکن دیکھنے میں یہ بیڑا شاندار معلوم ہوتا تھا اور بہر حال اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی تصویریں آپ کو اطالوی محلوں کی دیواروں پر

نقش نہیں ملیں گی۔

گرمیاں آئیں اور یہ ترکی بیڑا جو از سر نو زندہ ہو گیا تھا سمندر میں اڑ رہا وینس کا نیا امیر البحر..... جو اس امیر البحر کا جانشین تھا جس کے اور ڈان جان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے..... ہسپانوی بیڑے کا انتظار کرتا رہا جو بہر حال نہ آیا اس کے اپنے مقابلے میں ترک بہت طاقتور تھے۔ اور وہ اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

بالآخر بہت تعویق کے بعد فلپ نے احکامات جاری کیے اور ڈان جان میدان میں آیا۔ اس وقت یورپ کے بیڑے پر دو سو جہاز تھے۔ مگر اب اولوج علی کا کہیں پتا نہ تھا۔ وہ اہل یورپ کی تفتیش کی کشتیوں کے پاس چپکے سے نکل آیا تھا۔ اور لے پانتو کے جنوب میں مودون کی قلعہ بند بندرگاہ میں حفاظت سے پناہ گزین تھا۔ اس کے خستہ جہاز بندرگاہ میں محفوظ تھے اور یہاں ایک ترک فوج کو اس نے مدافعت کے لیے طلب کیا تھا۔

اب ڈان جان شش و پنج کے عالم میں تھا۔ وہ سمندر کے راستے کسی علاقے پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ترک بیڑا اسکے عقب میں محفوظ تھا۔ نہ وہ اس کی ہمت کر سکتا تھا اس قلعہ بند بندرگاہ پر دھاوا کرے پھر سے پری ویزا کا نقشہ بن گیا تھا ہسپانوی سپاہی پارما کے ایسندرو فارنیزے (جو مغرب میں جنرل کی حیثیت سے بہت مشہور تھا) کی سرکردگی میں اترے تا کہ اولوج علی کا مقابلہ کر سکیں لیکن ترک فوج نے پارما کو روکے رکھا' اور جب جاڑے آ گئے تو آ کے ڈان جان واپس سسلی چلا گیا

اور اہل وینس پسپا ہو کر اڈریاٹک آ گئے۔

تب اولوج علی اپجنا پر یتوں جیسا بیڑا اور وہ دانیال واپس لے گیا۔ اس کے ملاح بیمار تھے۔ یہاں اس نے چاہا کہ اگلے موسم کے لیے بیڑے کی مرمت کرے اس وقت سارے بحیرہ روم میں اس سے زیادہ کوئی شخص اپنی تقدیر پر خوش اور نازاں نہ تھا۔

☆☆☆

ساحل بربر

شاید ہی تاریخ میں کوئی اور دھمکی ایسی نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہو جیسے اولوج علی کی یہ پیش قدمی تھی۔ وہ دوبارہ لے پانتو کی جنگ تو نہیں جیت سکتا تھا دول سال تک بحیرہ روم میں اہل یورپ کو برتری حاصل رہی۔ لیکن وہ کوئی علاقہ فتح نہ کر سکے۔ باربروسا کی یاد اور ترک بیڑے کا خوف جو شاید پھر باربروسا کے بیڑیوں کی طرح ہیبت ناک ثابت ہوا۔ اہل یورپ کے جنگی مشوروں پر کابوس کی طرح حاوی تھا۔ ایک ہوشیار مورخ نے اس امر کو اس طرح بیان کیا "لے پانتو کے بعد سے ہسپانویوں اور ترکوں دونوں کے زوال کا آغاز ہوتا ہے"۔

ہسپانوی افریقہ کے ساحل پر ترکوں کے مقبوضات کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اہل وینس ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ ہسپانوی اس پر رضامند نہیں تھے کہ قبرص کو ترکوں سے چھین کر پھر اہل وینس کے حوالے کر دیا جائے۔ جب اولوج علی دوسری بار ایسے بیڑے کے ساتھ نمودار ہوا جو آسانی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا تو ترکوں نے اس اتحاد عظیم کو توڑ کے سرائے باب عالی سے صلح کی درخواست کی۔ سوکولی نے ان کی ہمت افزائی نہ کی اس کے سفیر اس موقع کو مضحکہ خیز جان کر ہنس پڑے اور انہوں نے وینس کی سینوری سفیر سے کہا "قبرص کا کھلونا ایسا ہے جیسے کسی کا یا ک ہاتھ ٹوٹ جائے۔ اور ٹوٹا ہوا ہاتھ پھر سے جڑ نہیں سکتا۔ ہمارے لیے لے پانتو کی شکست ایسی ہے جیسے کسی کی ڈاڑھی مونڈ دی جائے ڈاڑھی پھر سے باقی رہ جاتی

ہے"۔

اہل وینس کو ڈر تھا کہ کہیں کریٹ بھی ان کے قبضے سے نہ نکل جائے۔ انہوں نے صلح کی ویسی ہی شرائط منظور کر لیں جیسے پری ویزا کی جنگ کے بعد انہوں نے منظور کی تھیں انہوں نے تاوان جنگ ادا کیا اور کچھ اور علاقہ ترکوں کے حوالے کر دیا۔

اس اتحاد عظیم کے دوسرے ساتھی اسپین کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ڈان جان نے ایک بہت بڑے بیڑے کے ساتھ تونس کی بندرگاہ اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ تونس افریقہ اور مالٹا اور سسلی کے پل کا آخری گوسہ ہے۔ لیکن فلپ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اس کا سوتیلا بھائی بڑا طاقتور ہوتا جا رہا ہے اور اس کے حوصلے بلند ہو رہے ہیں اس نے تونس کی کوئی کمک یا امداد نہ بھیجی۔ اگلے سال 1574ء میں اولوج علی اور صنعانپاشا نے پھر سے تونس پر قبضہ کر لیا اور گرفتار ہسپانوی افسروں کی ایک کھیپ حسب معمول سرائے باب علی کو روانہ کر دی۔

فلپ اب ہالینڈ کے بحری بھک منگوں اور انگلستان کے پروٹسٹنٹ قزاقوں سے جنگ میں گرفتار ہوا تھا اس نے شمالی افریقہ کا ساحل ترکوں کے حوالے کر دیا ہی بھی تو ایک ٹوٹا ہوا ہاتھ تھا جس کا پھر سے جڑ جانا ممکن نہ تھا۔

لیکن بدرجہ مجبوری وہ جبل الطارق میں ڈٹا رہا اس طرح ہسپانوی اثر اور ہسپانوی جنگی ساز و سامان کا مقابلہ مراکش اور ریف کے مسلمانوں سے شروع ہوا لیکن راس ماتا پان کے مشرق میں ترک بیڑوں کی سرگرمی جاری رہی اگلی صدی کے وسط میں سوکولی کی دھمکی پوری ہوئی اور ترکوں نے کریٹ (اقریطش) پر قبضہ کر لیا۔ اس

جزیرے کے باشندوں کو ترکوں کی حکومت اہل وینس کے مقابلے میں زیادہ خوش آئند معلوم ہوئی۔ ترک وزیروں میں سے ایک عظیم شخصیت نے جو کوپرولو خاندان سے تھا کریٹ پر قبضے کی تکمیل کی اور سودا کی خلیج میں اہل وینس کو کچھ مراعات دیں۔ اب اہل وینس کی قوت بہت ڈھل گئی تھی۔

سلیمان اور باربروسا کے درمیان بحری محاربات کی جو تجویزیں منظور ہوئی تھیں۔ ان کی تکمیل ایک سو بیس سال تک ہوتی رہی اور ترک بیڑے سمدروں میں اس کو عملی جامہ پہناتے رہے۔ ان کے خلاف اہل یورپ نے بڑے بھاری بھاری بیڑے بھیجے جو کبھی کامیاب ہوئے کبھی ناکام مگر کسی مسلم علاقے کو زیادہ عرصہ تک اپنے قبضے میں نہ رکھ سکے۔

اس درمیان میں مغرب کی ترک بندرگاہوں پر ایک اور طرح کی افتاد بڑھنے لگی۔ اب درہ دانیال سے نئے نئے بیڑے وہاں مسلح ہو کر نہیں پہنچ رہے تھے 1659ء میں انہیں دور افتادہ صوبوں کے مراکز تصور کر کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ اور ترک بیلر بے واپس بلا لیے گئے۔ ساحلی تجارت اور کشتی رانی کی نگرانی مقامی رئیس کی ذمہ داری بن گئی تھی۔ بندرگاہوں میں یہ رؤسا آرام دہ محلوں میں رہتے انہیں خود مختاری حاصل تھی اور ان بحری سرداروں کا ایک گروہ بڑا عجیب و غریب تھا۔ الجزائر بونے یا اور تونس کے رئیس جس طرح چاہتے رہتے بڑے خدام و حشم کے ساتھ اور کوئی ان سے پوچھ گچھ کرنے والا نہ تھا۔

ان رئیسوں اور سرائے باب عالی کا رشتہ دن بدن کمزور ہوتا گیا خاص طور پر

الجزائر میں جہاں تجارت فروغ پر تھی اور بحری قزاقی کا اب ایک نیا شعلہ بن گئی تھی۔ جہاں وہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جس کے پاس چارلس نے مورچہ بندی کی تھی۔ وہاں الجزائروں کی برادری میں بہت سے لوگ بحیرہ روم کے شمالی ساحلوں سے بھاگ بھاگ کر پناہ گزین ہوئے پہلے تو ان میں اہل سسلی اہل جنیوا اور اہل نیپلز شامل تھے۔ پھر ان میں بعض ہسپانوی بھی آن ملے دو ایک انگریز تھے۔ یہ وہ گروہ تھا جو ساحل بربر کے بحری قزاقون کے نام سے مشہور رہوا۔

اس درمیان میں یورپ میں جنگی جہاز بننے لگے تھے جن پر بھاری توپ خانہ نصب ہوتا اور ان کے ساتھ دوہرے عرشے والی کشتیاں بننے لگی تھیں جب انگریزوں فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کے بھاری جنگی جہاز بحیرہ روم سے ہو کر گزرتے تو شمالی افریقہ کے بحری رئیسوں کی ہمت نہ ہوتی کہ ان کے مقابلے میں نکل سکیں اس کے مقابلے میں الجزائریوں نے بحری قزاقی کے لیے ہلکی پھلکی تیز رفتار کشتیاں تیار کرنی شروع کر دیں جو تیزی سے ان جنگی جہازون سے بچ کر نکل جاتیں اور تجارتی جہازوں اور چھوٹی موٹی کشتیوں پر غالب آجاتیں۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کے جنگی بیڑے الجزائر، طرابلس اور تونس سے محو ہو چکے تھے۔ اور ان کی جگہ قزاقی کی بے شمار کشتیوں کا فروغ رہا۔ لیکن ان کشتیوں کے مالکوں کا ترکان عثمانیہ سے بجز اس کے کوئی سروکار نہ تھا کہ وہ زوال پذیر سلاطین کو برائے نام اپنا آقا مانتے تھے۔

جب افریقہ کے مغربی ساحل پر یہ انقلاب آیا اسی زمانے میں بحیرہ روم کے

مشرقی نصف حصہ سے ترک فوج غائب ہوگئی۔ اب نئے جہاز نہیں بنتے تھے اور اہل یورپ کی نئی توپوں اور جنگی جہازوں کا مقابلہ کرسکیں۔ خود ترکوں میں یہ مثل عام ہوگئی تھی کہ کپتان پاشا عورتوں کی طرح کشیدہ کاری کرنے لگے ہیں۔

پال ری کو نے اس کی شہادت دی ہے کہ ترکوں کو جب اس کی امید نہیں رہی کہ وہ سمندر میں عیسائی بیڑوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور بحری لڑائی میں مقاومت کرسکتے ہیں تو انہوں نے ہلکی پھلکی کشتیاں بنانی شروع کردیں۔ تاکہ عیسائی ساحلوں پر قتل و غارت کرکے آسانی سے نکل بھاگیں۔ ان ہلکی کشتیوں کے ذریعے وہ کریٹ اور دوسرے نئے مقبوضات سپاہیوں سامان رسد اور سامان جنگ کی کمک پہنچاتے ہیں۔ ترک سمندری معاملات کا بڑی بے دلی سے ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے سمندر عیسائیوں کے سپرد کردیا ہے اور زمین ہمارے حوالے کردی ہے''۔

یہ مایوسی تقدیر پرستی اور لوٹ مال کی لالچ شاخ زریں پر بھی حاوی ہوتی جارہی تھی۔

☆☆☆

سلیمان اور اوان خونخوار

مرکز سرائے کے مشرق میں جو کچھ پیش آ رہا تھا وہ اس سے بہت مختلف تھا سلیمان نے اپنے آپ کو سلطان البحرین کے لقب کا مستحق بنا لیا تھا۔ مشرق میں قرادنیز یا بحیرہ اسود تھا جو عرصہ سے ایک ترکی جھیل بن چکا تھا۔ سلطان کی حکومت دریائے ڈینیوب تک اور پھر اس کی اوپر سے چراگاہوں میں سمندر کے شمال میں ایک قوس کی شکل میں کوہ قفقاز کی فلک پیا بلندیوں تک پھیلی ہوئی تھی اس قوم کا حصن حصین قدرتی طور پر کریمیا کا علاقہ تھا۔

بعد میں جو کچھ واقعات پیش آءان کا مرکز ڈینیوب جزیرہ نمائے کریمیا اور قفقاز کے پہاڑ تھے۔ اہل ماسکو کی یہ کوشش تھی کہ وہ بحیرہ اسود کو ترکوں کے قبضے سے چھین لیں۔

سلیمان نے اپنی زندگی میں بڑے اطمینان سے ڈینیوب کی چراگاہوں کا سفر کیا جو علاقہ اس زمانے میں یدلسان کہلاتا تھا۔ یہ زرخیز چراگاہیں جن پر دراصل کسی کا راج نہ تھا جن کو اہل ماسکو وحشی زمین کہتے تھے ان کی طرف سے اس زمانے میں جب سلیمان زندہ تھا ماسکو کا زار اوان خونخوار بھی اپنے کریملن کے قلعے سے نکل کر آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

سلطان نے اپنی سلطنت کی حد بندی کر دی تھی۔ ان سرحدوں کے اندر اس نے اپنی رعایا کے لیے قوانین وضع کیے تھے۔ ترکوں کی تعلیم و تربیت اہل ماسکو کے

مقابلے میں بہت بلند و برتر تھی۔ لیکن زار ماسکو کی قرون وسطیٰ کی شہری سلطنت کی حدود سے باہر نکل کے دوسری قوم کو مطیع کر رہا تھا اور روس کی سلطنت عظیم کی تعمیر کا آغاز کر رہا تھا۔

سلیمان اور اوان خونخوار کی حیثیتوں میں بعض مشابہتیں ہیں اور بعض اختلافات دونوں مطلق العنان مشرقی حکمران تھے۔ دونوں کی اصلی قومیں دراصل مختصر مرکزی قومیں تھیں عثمانی ترک اور اصلی رسی اور ان قوموں نے اور بہت سی قوموں پر تسلط جما رکھا تھا قیصر روم (سلطان) اور رومائے ثالث کے زار، دونوں کو بازنطینی شہنشاہوں کی جانشینی کا دعویٰ تھا دونوں کی رگوں میں بازنطینی شہزادیوں کا خون تھا۔ دونوں مشرق اور مغرب کے سنگم پر تھے۔ اور اپنی رعایا کو مغرب کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے دونوں کی رعایا پرانی روایات کی پابند تھی

اب رہے اختلافات سلیمان کی خاندانی روایات فوج کی سرداری تھی۔ اور وہ اس سے ہٹنے کی کوشش کرتا رہا۔ اوان کے سلاف فوجی روایات کے پابند نہ تھے لیکن اس کو فوجی سردار بننا پڑا اور اس کی اپنی قوم کو جنگجو بنایا۔ مقابلتاً اوان میں ایشیائیت زیادہ تھی۔ اس کے آباؤ اجداد ڈھائی صدی سے تاتاریوں اور مشرقی اثرات کے غلام رہے تھے۔

اگر سلیمان کی حکومت بحیرہ روم کے شمال کی چراگاہوں کے تاتاریوں پر جو عہد قدیم سے طاقتور تاتاران زریں خلیل کے نام لیوا تھے ایک حد تک برائے نام تھی۔ تو مشرقی چراگاہوں پر رہنے والے قوموں سے اوان خونخوار کا تعلق بھی ہلکا تھا۔ ان

قوموں میں طاقتور نوگائی ازبک کرغیز اور دولگا کے تاتار شامل تھے جو ترکی بولتے تھے اور مذہباً مسلمان تھے۔

سلیمان سیر کرتے کرتے یے وی سان کی خشک چراگاہوں میں ترکوں کے مشرقی وطن کے قریب قریب آنکلا تھا۔ یہیں سے اس کی قوم آئی تھی۔ اور اب بھی جذبات اور مذہب کے تعلق سے اسے اس علاقے سے وابستگی تھی۔

سلیمان کے اس تعلق کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ بحیرہ اسود کے ساحل رپ اس کی حکومت اور طاقت کا بڑا اثر تھا اوان اور اس کی ماسکو کی فوجوں نے بالٹک کے شمالی سمندر کا رخ کیا۔ اس کے بعد سے بالٹک اور بحیرہ اسود دونوں روسی زادوں کے لیے جواب محض ماسکو کا حکمران نہ رہے تھے بڑی اصلی منزلیں بن گئے تھے اور اکثر زار ٹھٹکتے رہے کہ انہیں کس سمندر پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

سلیمان کے جانشینوں کو اس کا صدمہ اور بڑی مایوسی تھی کہ وہ پھر سے استراخان (ات ترخان ۹ کو روسیوں سے واپس نہیں چھین سکتے یہ ایک پرانا ترکی کا شہر تھا۔ جو بحیرہ خزر پر عظیم الشان دریائے دولگا کے دہانے پر آباد تھی۔ روسیوں نے اس پر آسانی سے قبضہ کرلیا تھا اور اس کے بعد مشرق سے ان کی تجارت کے لیے دریائے دولگا کی حیثیت شہ رگ کی سی ہوگئی۔

لیکن بحیرہ اسود میں یہ صورت حال پیش نہیں آئی۔ یہاں ترکان عثمان جمے رہے۔ یہ ان کی میراث کا ایک حصہ تھا۔ اس کا پانی مرکز سرائے کو چھوکر گزرتا تھا۔ وہ اس بحیرہ اسود پر جمے رہے لیکن اس کے شمال کی چراگاہوں پر انہوں نے اپنا تسلط

آہستہ آہستہ ڈھیلا کر دیا اس معاملے میں ان کی حکمت عملی بحیرہ روم کے برعکس رہی۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ محض قومی خودداری نہیں تھی اس کی تہہ میں ترکوں کی کوئی قومی حیثیت ہے جو مورخوں کی سمجھ میں آسانی سے نہیں آتی۔

☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net

ترک بحیرہ اسود پر جمے رہے

سلطان سلیمان کے عہد حکومت کے سو سال بعد یے وی سان کی یہ چراگاہیں سرحد بن گئیں۔ جس کی ایک طرف یوکرین تھا۔ جہاں بھانت بھانت کی قومیں کالی زمین کی زرخیز چراگاہوں پر آباد ہونے کے لیے جمع ہو رہی تھیں۔ ان میں وہ بھاگے ہوئے نوکر اور غلام تھے جو زار کی حکومت کے جبر اور غلامی سے پناہ لینے بھاگ کھڑے ہوئے تھے آوارہ مزاج پول تھے کچھ جرمن بھی تھے مگر یہاں کے رہنے والے اصل میں کریمیا کے بچے کھچے تاتاری اور نوگیا تھے اور ان میں جوق در جوق کوساک قبیلے کے آ آ کے ملتے جا رہے تھے۔ یہ کوساک تین دریاؤں کے کنارے کنارے بڑھ رہے تھے ایک تو دریائے کوبان جو قفقاز کی بلندیوں کے پیچھے ہے دوسرے ڈان اور تیسرے نیپر۔

یہ روسی کسان تھے جو شمال کی نیم بنجر زمینوں میں جبر و استبداد سے بچنے کے لیے ان وحشی لیکن زرخیز سرزمینوں کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ یہاں انہوں نے کاشتکاری اور مویشیوں کی دیکھ بھال شروع کی اور زمین کا نقشہ بدل دیا۔

یوکرین کے باشندے بھی کریمیا اور قفقاز کی پرانی پناہ گاہوں کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

ڈان کے لڑنے بھڑنے والے کوساکوں کا دعویٰ تھا کہ دریا کے ساحلی علاقے کو انہوں نے بدل کے پناہ گاہ بنا لیا ہے۔ ان میں یہ ضرب المثل عام تھی ''زار کی

حکومت ماسکو میں اور کوساک کی ڈان پر'' یوکرین کے اس معجون مرکب میں سرحد کے کوساک کے نیم تارتاری بن گئے تھے۔ لیکن وہ ماسکو کے قدیم عیسائی مذہب پر راسخ رہے۔ بالآ کراسی مذہبی تعلق کی وجہ سے انہوں نے فی کو کی اطاعت قبول کر لی۔

اپنے عروج کے زمانے میں کوساک لشکر کشتیوں پر سوار ہو کے سمندر کا رخ کرتے ترک بندرگاہوں میں لوٹ مار کرنے اور قسطنطنیہ کی جنگی کشتیوں کا مقابلہ کرتے۔ تاتاریوں اور یوکری نوآبادیوں کے ساتھ مل کر انہوں نے روسیوں کے فوجی راج کے خلاف بغاوت کی ان سرحدی بغاوتوں کا ڈھب ایک ہی ہوتا کوئی بہادر کوساک سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی روسی سرحدی قصبے پر حملہ کرتا۔ خمیل نسکی نے پولی سرداروں ک مقابلے میں دریائے نیپر کے کنارے اوپر کی طرف چڑھ کر یورش کی۔ ایک عرصہ تک اور کوساک اسٹیکا رازن کی وولگا پر حکومت رہی اور اس کی کشتیاں بحیرہ خزر تک سفر کرتی تھیں۔ ان بغاوتوں کا انجام بھی ایک سا ہوتا۔ طاقتور روسی فوج غیر منظم یوکرینیوں پر حملہ کر کے انہیں تتر بتر کر دیتی اور سختی سے بغاوت فرو کرتی۔

اکثر یہ پناہ گزی روسی فوج کے آگے بھاگ کر نیپر کے کنارے کنارے ترکی ی وی سان میں پناہ لیتے۔ ایک مرتبہ تو نیپر کے کوساکوں نے ایک اہت بڑے گروہ نے ترک علاقے کی طرف ہجرت کی:

ماسکو کی اس مدام بڑھتی ہوئی فوجی طاقت نے بہت آہستہ آہستہ خالی چراگاہوں

ک اس پار ترک سمندر کی طرف قدم اٹھایا۔ ماسکو نے پہلے تو مسلح مہاجرین ہی پر بھروسا کیا کہ یہ پہلے ان چراگاہوں کے باشندوں کے درمیان اپنے قدم جما لیں پہلے ایک گاؤں آباد ہوتا پھر ایک فوجی دستہ ان کی حفاظت کے لیے تعینات کیا جاتا ان زراعت پیشہ مہاجرین کے پاس جدید ساخت کے اسلحہ تھے اور اس وجہ سے انہیں ان چراگاہوں کے باشندوں خواہ وہ تاتاری ہوں یا کساک یا ترک سب پر فوقیت حاصل تھی۔

سلاطین عثمانیہ ان چراگاہوں میں اپنی فوجیں بھیجتے بھیجتے عاجز آ چکے تھے۔ لیکن وہ دریاؤں کے دہانوں پر اپنے قدم جمائے رہے کیونکہ یہیں پر بردہ فروش تاجر اب بھی روسی آبادیوں اور قفقاز سے قیدیوں کو لا لا کے فروخت کیا کرتے تھے۔ ابھی تک ماسکو کی اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ قسطنطنیہ کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر کے قوت آزمائی کرتے۔ جب 1637ء میں ڈان کے کوساکوں نے ترکوں سے اوزوف کا قلعہ چھین لیا تو ماسکو نے اسے پھر سے ترکوں کے سپرد کر دیا اور کوساک اس پر بہت ناخوش ہوئے۔

اس وقت تک اصلی مقابلہ حکومت کے دو مختلف طریقوں میں تھا۔ ترکوں کی حکومت کی بنیاد رواداری اور انفرادی زندگی میں نظم و ضبط پر تھی۔ ماسکو کی حکومت میں جارحانہ تجسر و استحصال پر قائم تھی۔ ترکوں کی جیت یہ تھی کہ قبیلے آ آ کے ان کی عملداری میں آباد ہوتے تھے ماسکو کی حکومت تلوار کے زور پر پھیل رہی تھی۔ لیکن سرحدوں پر طاقت کا توازن بدل رہا تھا۔ ترکوں کی تبلیغ اسلام کی تحریک میں پہلے جیسا جوش و

خروش نہ رہا تھا۔ سرائے باب عالی میں جب افراتفری مچی تو سلطانوں کی راہ نمائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عیسائی ملتوں خاص کر سربیوں میں مقاومت بڑھنے لگی اور انہوں نے روسیوں سے مدد طلب کرنی شروع کی۔

1670ء میں روسیوں کی عسکری طاقت پہلی بار ترکوں کے برابر ہو گئی۔ یوکرین میں غلے کی پیداوار اور دریاؤں کے راستے تجارت کی وجہ سے روسیوں نے بجائے بالٹک کے بحیرہ اسود کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ روسی فوجوں نے چراگاہوں میں پیش قدمی کی اور بری طرح پسپا ہو کے واپس لوٹیں ان کا بیان تھا کہ بڑے پراسرار دشمنوں نے ان پر حملہ کیا چراگاہوں کی خشک گھاس جلا دی کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا تھا اور دشمنوں کے شہسوار چھپ چھپ کر انہیں پریشان کرتے تھے۔

واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک زار پیٹر الیکسو یچ (پیٹر اعظم نے یہ جنگی تجربہ کیا کہ ڈان میں جہاز تعمیر کیے اور ترک بندرگاہ اوزوف پر حملہ کیا۔ اس پہلے حملے کے بعد وہ ناکام ہو کر واپس لوٹا۔ دوسرے سال ضدی پیٹر نے پھر ڈان کا سفر کیا اور کوساکوں کی مدد سے اوزوف کا قلعہ سر کیا لیکن اس پر وہ اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکا۔

ترکوں نے اوزوف پر دوبارہ کیونکر قبضہ کیا؟ تاریخ خاموش ہے ہوا یہ کہ پیٹر کے دور آخر کا سب سے بڑا حریف سویڈن کا چارلس دوازدہم پولٹاوا میں شکست کھانے کے بعد ترک علاقے میں پناہ گزیں ہوا۔ ترکوں نے مال اور فوج سے اس کی مدد کی۔

کچھ ہی عرصہ بعد زار پیٹر نے اپنی اس فوج کے ساتھ جس نے پولٹاوا کی جنگ جیتی تھی دریائے نیپر کے کنارے کنارے ترکی کا رخ کیا۔ پیٹر نے دریائے سنٹر کو

بھی عبور کرلیا لیکن دیکھا کہ خلاف توقع عیسائیوں کے مسلح دستے اس کی کمک کے لیے نہیں پہنچ رہے ہیں رسد کا سامان ختم ہوگیا تاتاری اور ترک سواروں نے اس کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا اور دریاؤں سے اس کا تعلق منقطع ہوگیا۔ جب عثمانیوں کی بندوق بند فوج کے آگے روسی فوج کو گھیر لیا تو دریائے برتھ کے قریب ان کے چاروں طرف مورچے بنا لیے تو پیٹر نے اپنی ساری فوج سمیت اورانے ساتھ کی عورتوں سمیت ہتھیار ڈال دیے۔

وزیر بالتاجی محمد کوزر کثیر بطور تاوان جنگ دکر اس نے اپنے آپ کو اور اپنی فوج کو آزاد کرالیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اوزوف اور ترکوں کے حوالے کردے دریا کے دہانے پر تمام روسی قلعوں کو مسمار کر دے۔ اور چارلس کو حفاظت کے ساتھ سویڈن پہنچنے کی ضمانت دے۔

وزیر پر اس تاوان جنگ کو قبول کرنے کے باعث رشوت ستانی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور اس پر بڑی لعن طعن کی جاتی ہے لیکن اس طرح ترکوں نے ایک پناہ گزین تاجدار اور ایک قیدی شہنشاہ سے چھٹکارا پایا۔ اور اپنی محبوب بندرگاہ دوبارہ حاصل کی۔ پیٹر نے بہت عرصے سے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا لیکن بالآخر اسے پورا کرنا ہی پڑا۔

اس عظیم الشان ارنے بحیرہ اسود پر قبضے کی چوتھی بار کوشش کی اور کوہستان قفقاز کی خاکنائے کے سرے تک اپنی فوجیں لے گیا اسے توقع تھی کہ وہ ترک آزر بائیجان سے درانہ گزرتا ہوا ایران کے امیر ملک پر قبضہ کر لے۔ لیکن اس مرتبہ پھر

بدنصیب پیٹر کو بدقسمتی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کا رسد کا بیڑہ بحیرہ خزر میں ٹکرا کے ڈوب گیا۔ قحط سالی کا سامنا تھا اور پہاڑی مسلمان خاص طور پر چرکس اس کا ناک میں دم کرنے لگے وہ اس پار نہ پہنچ سکا اور اپنی فوج واپس لے گیا۔ اس طرح کوہستان قفقاز کے محاصرے کا آغاز ہوا جس کا سلسلہ ایک صدی تک جاری رہا۔

☆☆☆

''بے سر'' روسی

بحیرہ اسود کے ساحل کی شمالی قوس پر اس شدید مزاحمت کے بعد روسیوں نے پھر بالٹک کا رخ کیا جسے پیٹر مغرب کی کھڑکی کہا کرتا تھا۔ یہاں اس نے پیٹرس برگ کا نیا شہر آباد کیا جس کی وجہ سے روسی دربار ماسکو کے کنارے پر مرکوز ہو گیا اور اس پر وشیا کا اثر حاوی ہو گیا۔

لیکن اب بھی روسیوں کا ایک بہت بڑا مقصد یہ تھا کہ ان دریاؤں پر جو بحیرہ اسود میں گرتے ہیں ترکی تسلط کا خاتمہ کریں اور ان کی فوجیں جارحانہ پیش قدمی کر کے چراگاہوں کی اس قوس پر لڑتی رہیں۔ کاؤنٹ میونچ قومی ہیرو اور سوارووف اور کوٹوزوف (جس نے نپولین کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی) کی سرکردگی میں کوبان سے لیے کر نیسٹر تک انہوں نے دریاؤں کے دہانوں سے ترکوں کو ہٹا دیا لیکن ان سرکاری فتوحات کے باوجود کسی نہ کسی طرح ترک ان ساحلوں پر جمے رہے روسی سپاہ کہتے ہیں کہ ''ترک خودرو درختوں کی طرح اگتے ہیں مگر ہمارے سپاہی بھی ایسے ہیں کہ اگر انکے سر کاٹ دیے جائیں تو تب بھی وہ بے سر میدان میں جمے رہیں''

اگرچہ شمالی ساحلوں پر روسیون کا قبضہ ہو گیا لیکن 1739ء میں معاہدہ بلگراڈ میں انہوں نے یہ شرط مان لی لکہ ان کا کوئی جہاز بحیرہ اوزوف یا بحیرہ اسود میں داخل نہ ہو گا۔

اگرچہ کہ ملکہ معظمہ کیتھرین کی طاقتور فوجوں نے بندرگاہ سباسٹوپول سمیت سارے کریمیا پر 1783ء میں قبضہ کرلیا اور پوٹیمکن کا جلوس بڑی شان وشوکت سے تاتاریوں کے وطن میں نکالا لیکن 1789ء تک سوارووف کو قریب ہی دریائے نیپر کے دہانے پر ترکوں سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ یہاں ایک روسی بحری بیڑے کی قیادت میں جان پال جونسکر رہا تھا۔ جس نے کچھ عرصہ کے لیے کیتھرین کی نوکری کرلی تھی۔ اور اس کا اسے ساری عمر افسوس رہا۔ پال جونس کو ترک کپتان پاشا اور ساحل بربر کے قزاقوں کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی لیکن بہت سخت مقابلے کے بعد۔ اس فتح کے بعد پرشیا اور روس کے افسروں کو تو بہت انعامات ملے لیکن جونس کو ساحل پر نوکری کرنے کے لیے بالٹک کے علاقے میں بلالیا گیا۔

لیکن ترک ابھی تک سمندر پر جمے ہوئے تھے۔

پوٹیمکن نے خاص طور پر ایک شہر خرسون دریائے نیپر کے کنارے آباد کیا۔ 1793ء میں بحیرہ اسود کے ساحل پر پہلا خالص روسی شہر اوڈیسہ تعمیر نہ ہو سکا۔ جو دریائے مینسٹر کے کنارے پر تھا۔ شروع شروع میں اوڈیسہ کی آبادی باہر کے ملکوں کے باشندوں پر مشتمل تھی۔ جب نپولین نے مشرقی یورپ کو تہ وبالا کر دیا تب کہیں جا کر روسی دریائے مینسٹر کی سرحد کو توڑ کے بلقان کے علاقے میں دریائے ڈینیوب کے کنارے تک پہلی بار پہنچ سکے۔

اس پار قفقاز کی سرحد اور بھی زیادہ ناقابل عبور ثابت ہوئی۔ یہاں پہاڑی مسلمان جہاد کے جوش میں بہت ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ ایک زمانے

میں شامل ان کا نامور سردار تھا جس کو ترکوں سے برابر امداد ملتی پہنچتی تھی۔ یہاں تو راستہ توپوں کے زور سے صاف کرنا پڑا تب کہیں روسی فوجیں آذربائیجان اور باکو سے ہوتی ہوئی ایران کی سرحد تک پہنچ سکیں۔ اور دونوں سمندروں کے درمیان کی اس پہاڑی خاکنائے کو عبور کر پائیں۔ 1864ء میں وہ چرکس قبیلے جو قفقاز کی بلندیوں پر روسیوں کا راستہ روک رہے تھے ہجرت کر کے ترک علاقے میں آ گئے۔

اب یورپ کی دوری قوموں کی طرح روسی بھی ترکی کو یورپ کا مرد بیمار کہنے لگے تھے۔ لیکن یہ مرد بیمار بحیرہ اسود کے کنارے اڑا رہا۔ جنگ کریمیا میں ترکوں نے فرانسیسی اور انگریز حلیفوں کے ساتھ سباسٹوپول پر حملہ کیا۔ دوسرے سرے پر 1878ء تک وہ باطوم کی بندرگاہ پر جمے رہے۔

سلیمان کے چار سو سال بعد آج بھی بحیرہ اسود ترکوں اور اشتمالی روس کے درمیان آدھا آدھا بٹا ہوا ہے۔ آذربائیجان کا وہ علاقہ جس پر ترکوں کی حکومت تھی آج بھی اچھی طرح سوویت یونین حکومت کے زیر اثر ہیں اور 44-1943ء جرمن فوجی حملے کے زمانے میں قفقاز کی بلندیوں اور یوکرین کے ساحل پر بغاوت کا جذبہ نمایاں تھا۔ اس چار سو سال کے عرصے میں اہل ماسکو ترکوں سے بحیرہ اسود نہیں چھین سکے۔

پوٹیمکن نے ملکہ کیتھرین کی بحیرہ اسود کی فتوحات کے زمانے میں ایک سنگ میل تیار کرایا تھا جس کا کتبہ تھا قسطنطنیہ کی طرف۔

روسیوں کے ذہن میں قسطنطنیہ کی فتح اور بحیرہ روم تک پہنچنے کی خواہش بلقان کے ہم نسل سلاف باشندوں کو آزاد کرانے کی خواہش کے ساتھ ساتھ موجزن تھی۔

سمز نے ان کے متعلق لکھا ہے "یہ خواہشیں اور خواب خواب ہی رہے لیکن مستقل کے لیے باقی رہ گئے"

انیسویں صدی میں اپنے عجیب وغریب عروج کے زمانے میں زار کے روس نے قفقاز کے کا کی پل کے اس پار تک اپنا قبضہ کرلیا۔ بلقان میں قدم جمائے اور یہ حجت کرنا شروع کی کہ درہ دانیال سمندروں تک پہنچنے کا راستہ ہے یہ ہمارے گھر کا دروازہ ہے۔

روسی دلچسپی پھر بالٹک کی گزرگاہ کی بجائے بحیرہ اسود پر مرکوز ہوگئی۔ لیکن روسی خارجی حکمت عملی اپر اقانع تھی کہ درہ دانیال ترکوں کے ہاتھوں میں قلعہ بند اور غیر جانبدار رہے اور جنگ کے زمانے میں کوئی حریف اس سے ہوکر نہ گزرے۔

ترکوں نے جواب دیا درہ دانیال ہمارا گھر ہے بحیرہ مارمورا اور درہ دانیال ان کے ملک کے لیے قلب کی شہ رگ کی طرح ہیں اب بھی اسی طرح ہیں جیسے سلیمان کے زمانے میں تھے۔

انقلاب کے بعد دریائے ڈان کی وادی میں صنعتوں کی ترقی اور قفقاز کے علاقوں کے تیل کے چشموں کے باعث سوویٹ روس کے معاشی منصوبے بنانے والوں کی توجہ پھر بالٹک سے ہٹ کر بحیرہ اسود پر مرکوز ہوگئی۔

1939-40ء کی جنگ عظیم کے بعد سویٹ حکومت کے پھیلاؤ نے مولوٹوف اور ربن تراپ پر قبضہ کرلیا۔ بالٹ پر قبضہ جمانے کے بعد انہوں نے پھر بحیرہ اسود کی طرف توجہ کی۔

جب روسیوں نے یہ درخواست کی کہ طرابزون اور اس کے قریب کی پہاڑی سرحد ان کے حوالہ کر دی جائے اور باسفورس کی شمالی چوکیوں کی حفاظت ان کے سپرد کر دی جائے تو ترکوں نے جو جواب دیا کہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ ''ہمت ہے تو آؤ اور یہ علاقے ہم سے چھین لو''۔

جب جمہوریہ ترکی اس پر ثابت قدم رہی کہ بحیرہ اسود اور باسفورس کے یہ دو اہم مرکز کسی طرح روسیوں کے حوالے نہ کیے جائیں تو روسیوں نے پہلے تو عارضی طور پر قفقاز سے ہو کر آزربائیجان کے راستے ایران کا رخ کیا۔ اور جب وہاں سے انہیں ہٹنا پڑا تو انہوں نے مغرب میں یونان کی پہاڑی کی سرحد اور درہ دانیال کے اس پار کے یونانی جزیروں کا رخ کیا۔

جب انہیں یونانی سے بھی ہٹنا پڑا تو روسی پھیلاؤ کا دھارا اور کسی سمت منتقل ہو گیا

اب ترک اس کے منتظر ہیں کہ دیکھیے پھر کب روسی سیلاب کا دھارا بحیرہ اسود اور اس کی آبی گزرگاہوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ لیکن ترکوں کا ایمان ہے کہ ان کی آبنائے باسفورس اور درہ دانیال انکے قبضے میں رہے گا۔ جو ہوتا آیا ہے پھر وہی ہو گا۔

آج کل کے زمانے میں یہ خیال بڑا ہی تسکین بخش ہے۔

گزشتہ جنگ عظیم کے زمانے میں 1944ء کے کرسمس کے بعد (اس سال بڑی سردی تھی) میں نے استنبول کا سفر کیا جس کا نام ایک زمانے میں قسطنطنیہ تھا۔ میں جنگ کے محاذ کے قریب رہنے کے بعد کچھ عرصے کے لیے سکون چاہتا تھا۔ اس

لیے پہلے کی طرح اب بھی سکون کی تلاش مین ترکی پہنچا۔

آسمان پر برستے ہوئے بادل چھائے تھے۔ بعض چھوٹے چھوٹے خاکستری رنگ کے جہاز جو مرکز سرائے سے لے کر باسفورس تک لنگر انداز تھے ان پر سواستکا نقش تھا کیونکہ قریب کے یونانی جزیروں پر جرمنوں کا قبضہ تھا۔ بند بازار میں جہاں میں تھا بہت کم خریدار اور تھے۔

باربروسا کے مقبرے پر کہر کی نقاب بھی۔ جس دن میں چھوٹی سی ٹرام پر پہاڑی پر سے ہوتا ہوا یونیورسٹی اور پھر جامع سلطان سلیمان گیا تو اکہ اس کو آخری بار اور دیکھ لوں اس دن بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔

مسجد میں اور کوئی نہیں تھا لیکن مسجد کے صحن میں فوج میں بھرتی ہونے والے کیڈٹ لڑکوں کا ایک دستہ خاکی یونی فارم پہنے تھے۔ یہ لڑکے اوورکوٹ پہنے تھے اور کسی بات کا انتظار کر رہے تھے۔

پھر ایک معمولی سا واقعہ پیش آیا۔ وہ اسکول میں پڑھنے والی لڑکیاں بارش سے بچنے کے لیے اندر آئیں پرانے رواج کے مطابق انہوں نے دہلیز پر جوتیاں اتاریں۔ ایک محراب میں وہ جانماز پر بیٹھ گئیں۔ اور اپنی کتابیں کھول لیں گویا وہ درسوں کے درمیان میں اپنا سبق یاد کر رہی تھیں۔ ان کا طور طریق بالکل امریکن لڑکیوں کا سا تھا۔ اور ان کی ہر ہر بات امریکن لڑکیوں جیسی۔ کیونکہ قالین پر بیٹھ کر بجائے پڑھنے کے انہوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں لیکن اس تعظیم کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ کہ وہ مسجد میں تھیں۔

مجھے باہر کے کیڈٹ دستے کا خیال نہ رہا اور میں ان لڑکیوں کو دیکھ دیکھ کر سوچنے لگا کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا۔ اور ان کی زندگی کی کہانی کیا ہے۔ ہم امریکن ترکوں کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ بحیثیت قوم وہ بہت خاموش ہیں۔ اور امریکنوں کو ان کی تاریخیں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔

مجھے یقین ہو رہا تھا کہ یہ جدید وضع کی اسکول کی لڑکیاں جو مسجد کے نیم تاریک حجرے میں اس طرح بیٹھی ہوئی تھیں کسی اجنبی قوم کی مخلوق نہیں ہو سکتیں۔ اور تب میں سوچنے لگا کہ میں بار بار اس مقام پر کیوں آتا ہوں اور یہ مسجد کیوں تعمیر ہوئی اور سلیمان کون تھا جس نے اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔

The End----------اختتام